عارف باللہ الحاج سید محمد عابد حسین صاحب نور اللہ مرقدہ

بانیٔ دارالعلوم دیوبند

اور تاریخی حقائق

مسجد چھتہ اولین درسگاہ

(مولانا) عبدالحفیظ رحمانی سابق محقق شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند یوپی

عارف باللہ الحاج سید محمد عابد حسین صاحب نور اللہ مرقدہ

بانی دار العلوم دیوبند

اور تاریخی حقائق

(مولانا) عبد الحفیظ رحمانی

سابق محقق شیخ الہند اکیڈمی دار العلوم دیوبند یوپی

ناشر

دار الکتاب لوہرسن سنت کبیر نگر یوپی

Mobile: 09794455466

محترم قارئین!

اگر آپ کے پاس اس سلسلہ میں مزید مستند معلومات ہوں تو برائے کرم مصنف یا خانوادہ حضرت حاجی صاحب علیہ الرحمۃ تک پہنچانے کی زحمت گوارہ فرمائیں تا کہ اگلے ایڈیشن میں شامل کیا جاسکے۔ (ادارہ)

فہرست مضامین

عنوان — صفحہ

- نگاہِ اوّلین ---------- ۷
- نام و نسب ---------- ۹
- تعلیم و تربیت ---------- ۹
- شوق بیعت ---------- ۱۱
- خانہ آبادی ---------- ۱۲
- ایک درویش کی درخواست ---------- ۱۳
- دکان بند کردی ---------- ۱۴
- خرقۂ خلافت ---------- ۱۶
- پہلی بیعت ---------- ۱۶
- پیش گوئی ---------- ۱۱۷
- مرشد کی نظر میں ---------- ۱۷
- سید امام قادری سے استفادہ ---------- ۱۸
- شیخ کی خدمت میں ---------- ۱۹
- وسعت ظرف ---------- ۲۰
- حضرت میاں جی کی وفات ---------- ۲۰
- اتباع سنت ---------- ۲۱
- حضرت راج خاں کی خدمت میں ---------- ۲۲
- چلہ نشار ---------- ۲۲

عنوان	صفحہ

- چھتہ کی مسجد میں ---------- ۲۳
- معمولات زندگی ---------- ۲۳
- خواجہ اجمیری کے مزار پر ---------- ۲۶
- جونا گڑھ کے نواب ---------- ۲۷
- جونا گڑھ میں ---------- ۲۷
- جونا گڑھ سے واپسی ---------- ۲۸
- چند واقعات ---------- ۲۹
- داروغہ نور الدین ---------- ۳۱
- منصور پور کا مقدمہ ---------- ۳۱
- رئیس کلاس پور ---------- ۳۲
- رئیس چھتاری ---------- ۳۲
- کمشنر گوالیار ---------- ۳۴
- تارہ گڑھ کے بزرگ ---------- ۳۴
- حاجی صاحب متوجہ نہیں ہوئے ---------- ۳۶
- سفر حج میں ---------- ۳۸
- مدینہ کے بزرگ ---------- ۳۹
- بہاول پور کے بزرگ ---------- ۳۹
- ایک درویش کا مطالبہ ---------- ۴۰
- ایک خواب اور اس کی تعبیر ---------- ۴۱
- قیام دارالعلوم کا زمانہ ---------- ۴۶

عنوان	صفحہ
○ اہل علم کا اضطراب	۴۷
○ حاجی صاحب کا خواب	۴۸
○ دار العلوم کی تجویز اوّل	۴۸
○ دار العلوم کا چندہ	۴۹
○ حضرت نانوتویؒ کے نام خط	۵۰
○ ارادۂ حج	۵۵
○ حاجی امداد اللہ سے بیعت	۵۷
○ اشارۂ غیبی	۵۸
○ حضرت نانوتویؒ دیو بند میں	۶۱
○ پانچویں مہتمم	۶۵
○ بانی کون؟	۶۷
○ تاریخ کا المیہ	۶۸
○ جمعیۃ علماء	۶۹
○ مفتی عزیز الرحمٰن کا مضمون	۷۱
○ دار العلوم کی بناء کا مسئلہ	۷۲
○ دار العلوم کے قیام کا مقصد	۷۶
○ فخر کی بات	۷۷
○ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کی روایت	۷۹
○ حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب اور انکے معاصرین کی روایت	۸۲
○ حیدر آباد کمیٹی کی رپورٹ	۸۷

عنوان	صفحہ

- حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی روایت ---------- ۹۲
- حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی روایت ---------- ۹۵
- روایات کا قدر مشترک اور ماحصل ---------- ۹۸
- حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کا مضمون ---------- ۱۰۱
- بنا رحضرت نانوتویؒ کی نفی کا دعویٰ تاریخ کی روشنی میں ---------- ۱۰۳
- حضرت نانوتوی ایک نہیں متعدد دینی مدارس کے بانی ہیں ---------- ۱۰۵
- حضرت نانوتویؒ کے نام حاجی عابد حسین صاحبؒ کا گرامی نامہ اور اس کا تجزیہ -- ۱۰۸
- حاجی صاحب کے خط کی بنیاد پر ایک فرضی تخیل ---------- ۱۱۰
- حاجی صاحبؒ کے خط کی غرض وغایت ---------- ۱۱۱
- حیرت ناک کہانی ---------- ۱۳۳
- مولانا گیلانی کا خط ---------- ۱۳۸
- الہامی مکتوب گرامی ---------- ۱۴۱
- خلاصۂ مباحث ---------- ۱۴۵
- دوسرا عظیم الشان کارنامہ جامع مسجد کی تعمیر ---------- ۱۴۶
- شجرۂ طیبہ ہر چہار خاندان ---------- ۱۵۱
- شجرۂ پیرانِ عظام قادریہ قدوسیہ عابدیہ رحمہم اللہ ---------- ۱۵۴
- شجرۂ پیرانِ عظام سہروردیہ قدوسیہ عابدیہ رحمہم اللہ ---------- ۱۵۵
- شجرۂ پیرانِ عظام نقشبندیہ قدوسیہ عابدیہ رحمہم اللہ ---------- ۱۵۶
- شجرۂ طیبہ خاندان چشتیہ صابریہ عابدیہ مختصر در ہفت اشعار ---------- ۱۵۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگاہِ اوّلین

بات ۱۹۶۰ء کی ہے جب راقم الحروف کو حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی تصنیف ''سوانح قاسمی'' کے مطالعہ کا موقع ملا، مولانا کا اسلوب نگارش اور نکتہ آفرینیوں نے کتاب کو ختم کیے بغیر ہاتھ سے نہ رکھنے پر مجبور کردیا، البتہ مطالعہ کے دوران کئی مواقع ایسے آئے جاں کھٹک پیدا ہوئی لیکن وہ شبہات اس بنیاد پر ماند پڑ جاتے تھے کہ دارالعلوم کی تاسیس وتوسیع کے سلسلہ میں جو روایات اب تک سنی تھیں وہی مولانا گیلانیؒ بھی بیان کر رہے ہیں تو پھر شبہات کو راہ کیوں دی جائے؟ طبیعت تو مطمئن نہیں ہوئی مگر اس کو کیا کیجئے کہ زمانہ طالب علمی میں بھی اسی کی گونج سنائی دیتی تھی کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ دارالعلوم دیوبند کے بانی ہیں، اس لیے مزید تحقیق وجستجو کی طرف رجحان نہیں ہوا۔

۱۴۲۴ھ میں دارالعلوم کے ارباب حل وعقد نے دارالعلوم کے ایک شعبہ شیخ الہند اکیڈمی کی خدمت کے لیے یاد کیا تو راقم الحروف اس شعبہ سے وابستہ ہوگیا، اسی مدت قیام میں ضابطہ کے تحقیقی کاموں کے علاوہ انٹرنیٹ پر آئے ہوئے متنوع سوالات کے تحقیقی جوابات بھی لکھنے پڑتے تھے۔ انہی تحقیقات میں نہ جانے کتنی کتابوں کی ورق گردانی کرنا پڑتی تھی، ایسی کتابیں بھی نظر سے گزریں جو دارالعلوم کی تاسیس کی نسبت کو مشکوک باور کرا رہی تھیں، اب وہ ۱۹۶۰ء کے شکوک وشبہات جو سوانح قاسمی کے مطالعہ سے پیدا ہوئے تھے وہ سطح ذہن پر مرتفع ہوگئے۔ اس کو حسن اتفاق کہیے کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی ایک جوابی کتاب ''تاسیس دارالعلوم دیوبند'' دستیاب ہوگئی، یہ کتاب حضرت قاری صاحبؒ نے مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری کے ایک تحقیقی مضمون ''بانی دارالعلوم'' (شائع شدہ ۵؍جولائی ۱۹۶۵ء، سہ روزہ اخبار

مدینہ بجنور) کے جواب میں تحریر فرمائی ہے۔

کتاب کو میں نے بار بار پڑھنے کے بعد فیصلہ کیا کہ دارالعلوم کی تاسیس حقائق کی روشنی میں واضح کرنی چاہیے، چنانچہ اس فیصلہ کے بعد مجھے دارالعلوم کی روددادوں اور دیگر کتب ورسائل سے جو مل سکا اس کو نکتہ آفرینیوں کے بغیر معروضی انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے سامنے حضرت قاری صاحبؒ کی کتاب ''تاسیس دارالعلوم'' رکھی ہے، میں نے حضرت قاری صاحب کی بلند مرتبہ شخصیت کے احترام کو حتی الوسع ملحوظ رکھا ہے، اگر اس کے باوجود کسی کو محض غلو عقیدت میں میری تحریر ناگوار گزرے تو میرے پاس اس کا کوئی مداوا نہیں ہے، درحقیقت حد سے بڑھی ہوئی عقیدت حقائق اور تاریخ کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہے اور حقائق پر عقیدت کی دبیز تہیں جمتی چلی جاتی ہیں۔

اس لیے قارئین سے گزارش ہے کہ حقیقت پسندانہ نظریہ سے کتاب پڑھیں پھر فیصلہ کریں کہ دارالعلوم دیوبند کا بانی کون ہے؟ جس عظیم شخصیت کے پیچھے نہ جانے کس نقطۂ نظر سے تشہیر کی مہم چلائی گئی وہ بانی ہیں یا زبدۃ العارفین حضرت الحاج الحافظ سید محمد عابد حسین صاحب نور اللہ مرقدہ ہیں؟ مجھے یقین ہے کہ حقائق کی روشنی میں آپ حضرت حاجی صاحبؒ ہی کو بانی کہیں گے، یہی حق اور سچ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جو سچائیاں اس کتاب میں بیان کی گئی ہیں ان کو عام وخاص سب ہی قبول کرلیں اور دارالعلوم ارباب حل وعقد حضرت حاجی صاحبؒ کی کردارکشی سے باز آجائیں۔ وھو یھدی السبیل۔

عبدالحفیظ رحمانی

لوہرن ضلع سنت کبیر نگر، (یوپی)

۲۱ر صفر ۱۴۲۸ھ-۱۲/ مارچ ۲۰۰۷ء بروز دوشنبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام ونسب

حضرت حاجی محمد عابد حسین نور اللہ مرقدہٗ دیوبند کے مشہور خانوادۂ سادات کے روشن چراغ تھے۔ ۱۲۵۰ھ-۱۸۳۴ء) میں ولادت باسعادت ہوئی جد اعلیٰ شاہ بندگی محمد ابراہیمؒ تھے۔ مزار مبارک محلہ سرائے پیرزادگان میں آج بھی مرجع خلائق ہے۔

نسب نامہ: حضرت الحاج محمد عابد صاحب ابن عاشق علی بن قلندر بخش بن جان عالم بن محمد عالم بن سید محمد جمیل بن سید محمد اسماعیل بن سید محمد ابراہیم بن سعد اللہ بن محمود قلندر بن سید احمد بن فرزند علی بن وجیہ الدین بن علاء الدین بن سید احمد کبیر بن شہاب الدین بن حسین علی بن عبد الباسط بن ابو العباس بن اسحاق عندلیب المکی بن قاری حسین علی بن لطف اللہ بن تاج الدین بن حسین بن علاء الدین بن ابی طالب بن ناصر الدین بن نظام الدین حسین بن موسیٰ بن محمد الاعرج بن ابی عبد اللہ احمد بن موسیٰ المبرقع بن امام محمد تقی بن امام موسیٰ علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد الباقر بن امام زین العابدین بن امام ابی عبد اللہ الحسین ابن سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بنت سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

تعلیم وتربیت

سات سال کی عمر میں قرآن مجید کی تعلیم مکمل ہوگئی، خاندانی روایات کے مطابق فارسی تعلیم کا آغاز ہوا، عمر گرامی ابھی صرف بارہ سال کی تھی، اسی اثناء میں حضرت سید احمد شہید بریلویؒ کے مجاز وخلیفہ مولانا ولایت علی صادق پوری کی دیوبند تشریف آوری ہوئی، حضرت حاجی صاحب گو ابھی صرف بارہ برس کے تھے، جس میں عموماً شعور بیدار نہیں ہوتا اور حسن وقبح کی تمیز

نہیں ہوتی لیکن تاریخ نے ایسی نادرالوجود شخصیات کو اپنے اوراق میں محفوظ رکھا ہے جو سن شعور تک پہنچنے سے پہلے بیدار مغزوں سے آگے نکل جاتی ہیں۔ انہی نادرۂ روزگار ہستیوں میں حضرت حاجی صاحبؒ بھی سرفہرست ہیں، حضرت مولانا ولایت علی صاحب کے دست حق پرست پر بیعت ہوگئے اور مولانا کی نظر کیمیا اثر نے دل کی آنکھیں کھول دیں، دامن فیض سے اس طرح وابستہ ہوئے کہ جب حضرت مولانا سہارنپور تشریف لے گئے تو حضرت حاجی صاحب بھی پیرومرشد کے ہمراہ سہارنپور پہنچ گئے۔ اسی کم سنی میں بڑے بھائی کو فقر وسلوک کے راستے پر چلنا نامناسب معلوم ہوا چناں چہ بڑے بھائی دوسرے دن سہارنپور گئے اور مولانا ولایت علی صاحب سے درخواست کرکے واپس لے آئے۔ حضرت حاجی صاحبؒ کو پیرومرشد سے دوری کا بہت قلق ہوا، لیکن حضرت مولانا سید ولایت علی صاحب نے دل کے ویرانے میں جو شمع روشن کردی تھی اس کی لو تیز ہوتی گئی اور اسی روز سے شب بیداری کا دل نے جو عہد و پیمان کیا تو کبھی تہجد کی نماز قضا نہیں ہوئی عبادت و ریاضت ورثہ میں ملی تھی، خاندان میں متعدد اولیاء گزرے ہیں، محلہ پیرزادگان کے ان اولیاء کرام کی کرامتیں، ان کی عبادات اور ریاضتیں آج بھی عوام وخواص کی زبان پر ہیں۔

حضرت حاجی صاحب کو بڑے بھائی واپس تو ضرور لے آئے لیکن دل بے قرار کو سکون نہیں ملا۔ چند ہی دنوں کے بعد تعلیم حاصل کرنے کے لیے دہلی چلے گئے، یہاں قیام کے لیے ایک ایسی مسجد کا انتخاب کیا جس میں ایک بزرگ کا مزار تھا، حضرت مولانا سید ولایت علی صاحب سے نسبت تو حاصل ہی تھی، صاحبِ مزار سے استفادۂ روحانی کا سلسلہ شروع ہوگیا، حضرت حاجی صاحب کو ان بزرگ سے بہت کچھ فیض و برکات حاصل ہوئے، ایک طرف کتابی تعلیم کا سلسلہ جاری تھا تو دوسری طرف سلوک کی منزلیں طے ہورہی تھیں، نور علی نور، لیکن مشیت ایزدی کچھ اور ہی تھی والد محترم علیل ہوگئے، حضرت حاجی صاحب کو اطلاع ملی تو دیوبند واپس آگئے اور تعلیمی سلسلہ منقطع ہوگیا، والد محترم رحلت فرما کے راہ بقا ہوئے، رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

والد محترم کے بعد تعلیم جاری رکھنے کی کوئی صورت نظر نہیں آئی تو خدمت خلق کو پیش نظر

رکھتے ہوئے دوافروشی کی دکان کھول لی، بہ ظاہر تو عطار کی دکان تھی لیکن ذرا جھانکنے تو قرآنی خانقاہ تھی، جس میں حضرت حاجی صاحبؒ بیشتر اوقات قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف رہتے تھے، دل کو منور رکھنے کا اس سے بہتر ذریعہ ہی کیا تھا، قرآن مجید کی تلاوت سے تو زنگ آلود دلوں کے زنگ دور ہو جاتے ہیں، حاجی صاحبؒ کی تلاوت صفار باطن اور تزکیہ کیساتھ اللہ تعالیٰ سے قربت میں اضافہ کر رہی تھیں چنانچہ جو بزرگانِ دین اور مجاذیب حضرت حاجی صاحب کی دوکان سے گزرتے اور ملاقات کا شرف حاصل ہوتا تو فرماتے کہ "تو قدم بہ قدم اپنے دادا کے ہوگا"۔

شوق بیعت

تلاوت کی کثرت نے اس طرح پاک وصاف کر دیا کہ اب دوبارہ بیعت کا شوق تیز ہو گیا، اس کو حسن اتفاق سے تعبیر کیجئے یا اللہ تعالیٰ کی عنایت بیکراں کہ انہی دنوں جب حضرت حاجی صاحب کی آتش شوق بھڑک رہی تھی، رامپور کے مشہور بزرگ اور مرشد حضرت میاں جی کریم بخشؒ دیوبند تشریف لائے تھے، حضرت حاجی صاحب ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ملاقات کا شرف حاصل کر کے واپس ہوئے، ادھر حضرت میاں جیؒ نے خواب دیکھا کہ "آسمان پر ایک بڑا ستارہ طلوع ہوا" اس بڑے ستارے کے اردگرد بہت سے ستارے ہیں اور بڑا ستارہ میری گود میں گر گیا ہے" صبح کو اپنے ارادت مندوں کے حلقہ میں حضرت میاں جی نے فرمایا کہ کوئی سید مجھ سے بیعت ہوگا، لوگوں کو اس سے بہت فیض پہنچے گا وہ متبع سنت ہوگا اور اس سے دین کے بہت کام ہوں گے، دنیوی جھگڑوں سے بچے گا، خاندان کو روشن کرے گا"۔

حضرت میاں جیؒ کی یہ پیش گوئی اور خواب کی تعبیر کس طرح پوری ہوئی؟ اس کی کسی قدر تفصیل ہم حضرت میاں جی صاحبؒ کے کارناموں میں بیان کریں گے، یہاں گفتگو بیعت کی ہو رہی ہے، حضرت میاں جیؒ سے شرف ملاقات کے بعد حضرت حاجی صاحبؒ کئی دنوں تک حلقۂ ارادت میں شامل ہونے پر غور وفکر کرتے رہے، بالآخر حضرت میاں جی پر دل مطمئن ہو گیا اور بیعت ہونے کے عزم وارادہ سے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور بیعت ہونے کی

درخواست پیش کی۔ حضرت میاں جی نے فرمایا پہلے آپ استخارہ کرلیں اور اس میں جو کچھ معلوم ہو وہ مجھے بتادیں، حکم کے مطابق حضرت حاجی صاحبؒ نے رات میں استخارہ کیا اور یہ خواب دیکھا کہ حضرت میاں جی کے پہلے مریدین روٹی لیے ہوئے ہیں اور چڑیوں کی طرح چگتے ہیں، حاجی صاحب نے خواب ہی میں ان سے کہا میاں یہ کھانا کیا ہے اور حاجی صاحب نے روٹیاں لے کر دو لقمے بنائے اور روٹیاں کھا گئے فرمایا کہ اس طرح کھایا کرتے ہیں۔

صبح ہوئی تو حضرت میاں جی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خواب بیان فرمایا، حضرت میاں جی نے خواب سن کر بیعت کرلیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ "میرے پاس جو کچھ ہے وہ تمہاری قسمت کا ہے" دل تو پہلے ہی سے صاف اور مزکی تھا مزید صیقل کے لیے پیرو مرشد کی خدمت میں رہ پڑے ریاضت میں اضافہ ہوا، سلوک کی منزلیں تیزی سے طے ہونے لگیں، ذکر و اشغال کی محنت دیکھ کر پیر و مرشد نے خصوصی توجہ فرمائی اور جلد ہی منزلیں طے کرتے ہوئے بامِ عروج پر پہنچ گئے لیکن عبادت و ریاضت کی مصروفیت میں کمی نہیں آئی، ہاں ابھی ایک سنت ادا نہیں ہوئی تھی اور اب وقت آگیا تھا کہ اس سنت کو ادا کر کے ایمان کے تقاضے کو پورا کردیا جائے۔

خانہ آبادی

چناں چہ حضرت حاجی صاحبؒ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوگئے، آپ کی اہلیہ بھی حضرت سید شاہ بندگی محمد ابراہیمؒ کی اولاد میں سے تھیں، خاندان تو ایک تھا ہی، مزاج اور فکر میں بھی ہم آہنگی تھی، اس کے نتیجے میں حضرت حاجی صاحبؒ نے پیرو مرشد کو اپنے دولت کدہ پر لے جا کر اہلیہ محترمہ کو بھی بیعت کرادیا۔

بعد کے حالات سے واضح ہوا کہ اہلیہ محترمہ خدا رسیدہ خاتون تھیں، ایک آنچ کی کسر تھی وہ بیعت سے پوری ہوگئی اور حضرت میاں جی کے دامن فیض سے وابستہ ہونے کے بعد وہ جوہر قابل نکھر کر منظر عام پر آگیا اور نگاہیں خیرہ ہوگئیں، ابھی بیعت کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ حالت عجیب و غریب ہوگئی جب بھی درود شریف پڑھتی تھیں، حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی

زیارت ہو جاتی تھی، ظاہر ہے کہ درود شریف کا ورد نہ جانے کتنی بار ہوتا تھا، اور اسی قدر زیارتیں بھی، عالم یہ ہو گیا تھا کہ کبھی کبھی خود حضرت میاں جیؒ ان کے پاس تشریف لے جاتے اور فرماتے کہ میری یہ درخواست نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کر دینا۔

حضرت حاجی صاحبؒ نے پہلا حج اپنی اہلیہ محترمہ کو ہمراہ لے کر کیا بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ پہلا حج اہلیہ محترمہ کا رہین منت ہے، یہ تو معلوم ہی ہو چکا ہے کہ آں محترمہ کو درود شریف پڑھنے کے ساتھ ہی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جاتی تھی چناں چہ ایک مرتبہ سرکار رسالت مآب ﷺ نے آں محترمہ سے فرمایا کہ ہمارے یہاں آؤ، چناں چہ حاجی صاحب سے کہہ کر حج کا ارادہ کیا اور عابد و عابدہ نے ہمراہ ہی دعوت پر لبیک کہا اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔

ایک درویش کی درخواست

حضرت حاجی صاحب کے خلیفہ اجل مولانا نذیر احمدؒ کا بیان ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ چھتہ کی مسجد میں تشریف فرما تھے، سدا سہاگ سلسلہ کے ایک درویش مسجد میں آئے، حضرت حاجی صاحبؒ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا، ظہر و عصر کے درمیان یہ درویش حاجی صاحب سے کہنے لگے کہ اذان پکار دوں؟ حاجی صاحبؒ نے فرمایا، ظہر کی نماز ابھی پڑھی ہے، اذان کا کوئی وقت نہیں ہے وقت ہوگا تو اذان دے دینا، نگینہ کے رہنے والے یہ عمر رسیدہ درویش کہنے لگے، حاجی صاحب میں پھر یہاں کب آؤں گا؟ حاجی صاحب نے اذان کی اجازت دے دی، درویش نے بے وقت اذان پکار دی۔ لیکن حالت یہ ہوئی کہ اذان کے بعد حضرت حاجی صاحبؒ کے حجرہ میں گھس گئے اور لوٹنے لگے، زبان پر یہ الفاظ جاری تھے کہ یہاں کی خاک بھی برکات وحسنات سے خالی نہیں ہے، یہاں جو کچھ مل جائے وہ غنیمت ہے، ہو سکتا ہے کہ اسی سے میری نجات ہو جائے، بات تو درویش کی ہے لیکن ہوش و فرزانگی اس پر قربان کہ ان کو حجرۂ مبارکہ کہ انوار و برکات نظر آ رہے تھے اور اس کی خاک بھی کیمیا اثر تھی، اضطراب ختم ہوا

اور انوار و برکات کی خاک کو چادر بنالیا پھر حضرت حاجی صاحبؒ سے اہلیہ محترمہ سے دعا لینے کی درخواست پیش کی وہ منظور ہوئی اور حاجی صاحبؒ ان درویش کو لے کر گھر پہنچ گئے، درویش نے رابعۂ عصر سے دعا کرائی۔

دکان بند کردی

یہ ذکر آچکا ہے کہ حضرت حاجی صاحب نے دوافروشی کی دکان کر لی تھی، اسی دکان میں تلاوت اور ذکر واذکار میں مشغول رہتے تھے لیکن دکانداری راس نہیں آئی اور اس میں طبیعت بھی کیسے لگتی؟ دل میں تو ذات واحد کو بسالیا تھا، دکانداری ذکر الٰہی میں خلل انداز ہو رہی تھی چناں چہ شادی کے بعد دکان بند کردی اور مجاہدہ وریاضت میں مصروف ہو گئے، اسی مجاہدہ اور کسر نفسی میں حضرت حاجی صاحب نے پانی پلانے کا عمل شروع کیا، اس درویش خدامست کو بھی خوب سمجھی کہ اس عمل سے نفس تو مرے گا ہی، ثواب بھی خوب خوب ملے گا، جس کا حلق بھی تر ہوگا وہ دل سے دعا دے گا، اور نہ جانے کس کی دعا نجات کا ذریعہ بن جائے، چناں چہ دن بھر قصبہ کے کوچوں اور گلیوں میں گھوم پھر کر پیاسوں کو پانی پلاتے اور رات کے سناٹے میں مالک حقیقی کے حضور میں سربسجود ہو جاتے۔

سقایہ: لیکن اہل خاندان اور عزیز واقارب کو حضرت حاجی صاحب کا یہ عمل خیر پسند نہیں آیا آخر ایک معزز خاندان کے رکن رکین تھے، یہ سقہ گری دودمان والا تبار کو کب برداشت ہو سکتی تھی؟ یہ زمانہ بھی وہ تھا جب اشراف واجلاف دو الگ الگ خانوں میں بٹے ہوئے تھے اور کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی شریف شاگرد پیشگی اختیار کر سکتا ہے، خواہ اس کی نوعیت اور حقیقت کچھ بھی ہو، چناں چہ خاندانی روایات کی پامالی دیکھ کر عزیز واقارب چیخ پڑے، ہر چند منع کیا، سمجھایا بجھایا اور بدنامی کا واسطہ دیا لیکن حاجی صاحب خاموشی کے ساتھ اپنا کام کرتے رہے کسی کو کوئی جواب نہیں دیا۔

ایک دن حضرت حاجی صاحب کے خالو اور خالہ رات میں سمجھانے بجھانے کے لیے

گھر پہنچ گئے، خالو غصہ میں بھرے ہوئے تھے کہ یہ سب کی نئی ان سنی کر رہے ہیں، بپھر کر کہا کہ کب تک کہنے لگو کہ ''مر جاؤری چڑیوں اور اڑ جاؤری چڑیوں'' یعنی دیوانوں کی طرح الٹی سیدھی باتیں کرتے ہوئے پھرا کرو گے، ابھی ان محترم کو حضرت حاجی صاحب کے مرتبہ ومقام کا اندازہ نہیں تھا نہ ہی وہ اس راہ کے رہ نورد تھے، تو ان کو اندازہ بھی کیا ہوتا ان کے سامنے تو دنیا تھی اور دنیا کا ہی عزو شرف ان کے پیش نظر تھا، حضرت حاجی صاحبؒ خالو کی بات پر خاموش رہے کوئی بات جواب میں نہیں کہی، البتہ ہاتھوں ہاتھ خالو اور خالہ کو عملی جواب مل گیا، اس وقت ان محترم پر کیا بیتی ہوگی اور اپنی ناہموار گفتگو پر کس قدر ندامت ہوئی ہوگی کیا کہا جائے، ہوا یوں کہ اپنی بات کہنے کے بعد حاجی صاحب کی جو خاموشی دیکھی تو کہنے لگے ہم جاتے ہیں، حضرت حاجی صاحبؒ نے خاموشی کی مہر توڑتے ہوئے فرمایا ذرا ٹھہریئے، بارش ہو رہی ہے، ان کو یقین نہ آیا کہ آسمان پر بادل کا نام ونشان بھی نہیں تھا، بکھرے ہوئے ستارے اپنی چمک دمک دکھا رہے تھے، پھر یکایک بارش کہاں سے آگئی، باہر جو نکل کر دیکھا تو بارش ہو رہی تھی، گھبراہٹ ہوئی کہ گھر کیسے جائیں گے؟ حاجی صاحب نے فرمایا گھبرایئے مت، بارش بند ہو جائے گی، زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ بارش تھم گئی۔

یہ کھلی کرامت جو خالہ اور خالو نے دیکھی تو زبان بند ہوگئی اور حضرت حاجی صاحبؒ کے بارے میں کبھی لب کشائی نہیں کی، ادھر حاجی صاحب کا سقایہ بھی جاری رہا اور عرصۂ دراز تک گھوم پھر کر پانی پلاتے رہے، اس طویل مدت میں سلوک کی کتنی منزلیں طے ہوئیں اور کس مقام بلند تک پہنچے، اس کا پتہ تو مرشدین وسالکین ہی بتائیں گے، ہم تو صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ عمل خیر پیر ومرشد کی نظر میں تھا اور ہو سکتا ہے کہ اشارہ میں بھی رہا ہو، اس لیے پیر ومرشد بھی خاموش رہے اور جب منزلیں طے ہوگئیں تو حضرت میاں جی صاحب کریم بخشؒ نے اس کام سے روک دیا اب مجاہدوں کی نوعیت بدل گئی

ایک مجاہدہ یہ تھا کہ ہر جمعرات کو نماز فجر ادا کرنے کے بعد دعا سیفی اور دلائل الخیرات پڑھتے ہوئے پیران کلیر تشریف لے جاتے اور عشاء کی نماز دیوبند آکر پڑھتے البتہ یہ دھیان

میں رہے کہ یہ آمد و رفت پا پیادہ ہوا کرتی تھی، آج سواری کی جو سہولیات میسر ہیں اس کا تصور بھی ڈیڑھ سو سال پہلے نہیں ہو سکتا تھا، حضرت حاجی صاحب کا یہ مجاہدہ کئی سال تک جاری رہا، بالآخر یہ بھی پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا اور حضرت پیر و مرشد اپنے مرید باصفا کے مجاہدات سے بالکل مطمئن ہو گئے۔

خرقۂ خلافت

پیر و مرشد کے مطمئن ہونے کا منطقی نتیجہ تھا کہ حضرت حاجی صاحب کو خرقۂ خلافت عطا فرما کر مشائخ کی صف میں کھڑا کر دیا جائے چناں چہ حضرت میاں جی کریم بخش ؒ نے خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور اپنا خلیفہ و جانشین متعین فرما کر بیعت کرنے کی ہدایت فرمائی۔

پہلی بیعت

چوں کہ حضرت حاجی صاحبؒ نہایت منکسر المزاج اور مرنجان مرنج شخصیت کے حامل تھے، کسی طرح کی نمائش اور نام و نمود ان کو پسند نہیں تھی، اسی لیے بیعت کرنے سے کتراتے تھے، حضرت میاں جی کریم بخش ؒ ان کی اس طبیعت سے واقف تھے، ان پر یہ حقیقت منکشف ہو چکی تھی اس لیے علاج یہ تجویز فرمایا کہ اپنے روبرو بیعت کرائیں اور حجاب ختم ہو جائے چناں چہ جب پہلے بیعت کرنے والے شخص کو حضرت میاں جی نے بلایا اور حضرت حاجی صاحبؒ کو بیعت کے لیے طلب فرمایا تو وہ روپوش ہو گئے حکم ہوا کہ حاجی صاحبؒ کو ڈھونڈھ کر لے آؤ، مریدین نے تلاش شروع کی تو کامیابی ایک مسجد میں ملی، حضرت حاجی صاحب مسجد کی صفوں کو سمیٹ کر اس کے نیچے دبک گئے تھے، مریدین نے پیر و مرشد کا پیغام پہنچایا تو رونے لگے اور اسی حال میں پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ روتے سسکتے ہوئے فرمایا کہ میں اس قابل نہیں ہوں، یہ بار بہت بڑا ہے اس کے اٹھانے کی طاقت میرے اندر نہیں ہے۔

لیکن پیر و مرشد تو خوب واقف تھے کہ حضرت حاجی صاحبؒ کس بلند مقام پر فائز ہیں،

بہت سمجھا بجھا کر فرمایا "بیعت کرو، اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے میں یہ اپنی ہی طرف سے نہیں کہتا ہوں بلکہ مجھ کو ایسا ہی حکم ہوا ہے" اس الہامی صراحت کے بعد حضرت حاجی صاحب نے روتے ہوئے بیعت کرلیا، ادھر پیر ومرشد کا یہ حال تھا کہ آپ کی خدمت میں جو بھی بیعت کے لیے حاضر ہوتا تو فرماتے محمد عابد سے بیعت کرو، پھر آپ ہی سے بیعت کراتے اور تعویذات بھی لکھواتے۔

پیش گوئی

حضرت حاجی صاحبؒ اپنی افتادِ طبع یا پاس ادب میں کبھی بیعت کرنے میں سستی کا اظہار فرماتے تو پیر ومرشد فرماتے کہ "عزیز گھبراتے ہو جب کیا کروگے کہ ایک زمانہ میں مخلوق خدا تمہاری طرف متوجہ ہوگی اور تم کو فرصت بھی نہ لینے دے گی"۔ حضرت میاں جی کی یہ پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی، خلق خدا کا ہجوم ہمہ وقت گھیرے رہتا اور تعویذات میں اللہ تعالیٰ نے وہ تاثیر پیدا کردی تھی کہ جو لے جاتا اسکو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہوجاتی تعویذات کی تاثیر پر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے اپنی مثنوی "زیر و بم" میں لکھتے ہیں ؎

عالمِ کامل ولی، مردِ خدا ☆ پائے اودر پائے فخر انبیاء
ہم جمالی ہم جلالی شان او ☆ کان حلم ومخزن خلق نکو
نقش وتعویذش مثال نقش قدر ☆ فیض او بر خاص وعامی مثل بدر

تعویذات کے لیے علاقہ کے لوگ تو گھیرے ہی رہتے تھے، طویل مسافت طے کرکے بھی نہ جانے کہاں کہاں سے لوگ آجاتے تھے حضرت حاجی صاحبؒ کو خلق خدا کی اس خدمت سے فرصت نہیں ملتی تھی۔

مرشد کی نظر میں

حضرت میاں جی کریم بخشؒ پر حاجی صاحبؒ کے حالات منکشف تھے، اس لیے جو

عقیدت مند میاں جی کی خدمت میں بیعت کے لیے حاضر ہوتے تھے، آپ ان کو حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس بھیج دیتے تھے، حد تو یہ ہے کہ پیرومرشد اپنے وطن رامپور لے گئے اور قصبہ کے لوگوں کو آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کرایا، یہی نہیں اپنے صاحبزادے میاں علی حسن اور اپنے پیر کے صاحبزادے میاں محمد صدیق کو حاجی صاحبؒ سے بیعت کرایا، اپنے مریدین کو حضرت میاں جی کریم بخشؒ ذکرواذکار دریافت کرنے کے لیے بھیجا کرتے تھے، یہ مسترشدین عام بھی ہوتے تھے اور خواص بھی، چناں چہ حافظ لطافت علی صاحب دیوبندی رامپور گئے، حضرت میاں جی سے بیعت ہوئے اور بیعت ہونے کے بعد ذکرواذکار دریافت کیے تو پیرومرشد نے حضرت حاجی صاحبؒ کے نام اس مضمون کا خط لکھا کہ "یہ مجھ سے بیعت ہو گئے ہیں، ان کو نفی واثبات کی تسبیح بتا دو"۔

پیرومرشد حضرت حاجی صاحب سے اکثر یہ بھی فرماتے تھے کہ "درویشی جدا ہے اور عمل کرنا جدا ہے، بے عمل درویش ایسا ہے جیسا سپاہی بے ہتھیار، درویش کو پناہ اس میں ہے کہ اپنے کو پوشیدہ کر کے عمل ظاہر کردے، حضرت حاجی صاحب نے خود کو عامل ہی ظاہر کیا، شیخ اور مرشد کی ہیئت نہیں اپنائی ہمیشہ اپنے کمالاتِ باطنی مخفی ہی رکھے، یہ تو پیرومرشد کا اعتراف حقیقت تھا کہ اپنے عقیدت مندوں کو حضرت حاجی صاحب سے بیعت کرواتے تھے، اور بات صرف بیعت تک محدود نہیں تھی بلکہ پیرومرشد نے اپنے تمام امور حضرت حاجی صاحب کے سپرد فرما دیئے تھے۔

سید امام قادری سے استفادہ

یہ شاہ محمد امام صاحب قادری مدراس کے باشندے تھے اور اپنے زمانہ کے اولیاء کبار میں تھے، جب حضرت حاجی صاحب نے خرقۂ خلافت ملنے کے بعد علماء ربانیین کے قافلہ میں حج کی سعادت حاصل کی تو ممبئی میں ان بزرگ سے ملاقات اور استفادہ کا موقع ملا، اس قافلہ میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی، حضرت مولانا مظفر

حسین کاندھلوی، حضرت مولانا نور الحسن کاندھلوی وغیرہم شامل تھے۔ کیا کارواں نورانی تھا وہ بھی زیارت حرمین شریفین کے لیے، نور علی نور، آسمان کو بھی ان مکینوں پر رشک آتا ہوگا، کیسے قدسی صفات تھے یہ لوگ؟ کہ ان کے ذکر خیر سے آج بھی سکون قلب میسر آتا ہے۔

حضرت حاجی صاحب نے موقعہ کو غنیمت سمجھا اور امام قادری کی صحبت میں پہنچ گئے، ادھر امام قادری نے جو نظر کیمیا اثر ڈالی تو روحانیت کے ایسے مدارج قلب صافی پر وارد ہوئے کہ خرقۂ خلافت سے نواز دیا اور حضرت حاجی صاحب نے بھی واضح الفاظ میں فرمایا کہ ان سے بہت کچھ ملا اور فائدہ ہوا۔ یہ حاجی صاحب کا پہلا حج تھا جو ۱۲۷۸ء میں کیا۔

ادھر پیر و مرشد حضرت میاں جی کریم بخشؒ اپنے جانشین حضرت حاجی صاحبؒ کی واپسی کے شدت سے منتظر تھے، بار بار فرماتے تھے کہ محمد عابد کب آئیں گے؟ یہ بھی فرمایا کہ ان کے انتظار اور تاخیر سے میری عمر بڑھ گئی، اس سے نہ صرف حضرت حاجی صاحب کے تعلق خاطر کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ بلندیٔ مقام کا بھی پتہ چلتا ہے۔ حضرت حاجی صاحب کو جس شدت سے پیر و مرشد یاد فرما رہے تھے، اسی قدر باشندگان دیوبند بھی دیدار کے مشتاق تھے۔ چناں چہ زیارت حرمین شریفین کے بعد جب حضرت حاجی صاحب دیوبند میں رونق افروز ہوئے تو شوق دیدار میں باشندگانِ دیوبند امنڈ پڑے اور اپنی مسرت وعقیدت کا اظہار کیا۔

شیخ کی خدمت میں

دیوبند تشریف آوری کے بعد قدم بوسی کے لیے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رودادِ سفر سناتے ہوئے حضرت سید محمد امام قادریؒ سے استفادہ ذکر کیا اور جو کچھ امام قادری سے حاصل ہوا تھا وہ اپنے شیخ کی خدمت میں پیش کر دیا، چوں کہ پیر و مرشد پاک باطن اور اوصاف حمیدہ کے حامل تھے، کسی اور شیخ سے استفادہ پر ناگواری کا اظہار تو کیا کرتے بے حد مسرت کا اظہار فرمایا ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ "میری محنت وصول ہوگئی، اس ابدال اللہ نے بھی خلافت دینے پر صاد کر دیا"۔

وسعت ظرف

معاصرین کی چشمک مشہور ہے اور یہ بھی تجرباتی اور مشاہداتی بات ہے کہ معاصرین ایک دوسرے کے کمال کا اعتراف کرنے میں جزرسی سے کام لیتے ہیں اور بسا اوقات تو اعتراف ہی نہیں کرتے چہ جائے کہ ازخود ان کے کمالات بیان کریں، یہاں سماحت وسیر چشمی اور اعلیٰ ظرفی کا حال معاصرین کے عام رویہ سے مختلف ہے، حضرت میاں جی کریم بخشؒ کی پاک باطنی کا حال یہ تھا کہ حضرت حاجی صاحبؒ سے فرمایا "بھائی اگر کوئی کچھ دے ضرور اسے لے لو اور اپنے گھر کو روز بہ روز رونق دو" الفاظ تو سادہ ہیں لیکن معنویت سے معمور، اور صفائے قلب کا آئینہ ہیں، شیخ کو اس پر مسرت ہے کہ مسترشد کی کمالات حاصل کرنے کا حریص اور خانۂ دل کو مزین کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے اور "ٹکڑا جہاں پڑا ہوا پایا اٹھالیا" کا مصداق ہے، چناں چہ یہ بھی فرمایا کہ "جو کوئی دیتا ہے یا امانت رکھتا ہے سو وہ لائق ہی کے پاس رکھتا ہے، نالائق کے پاس کوئی نہیں رکھتا، کسی کی اولاد ایسی لائق ہو کہ اپنا گھر لا کر بھرے میں بہت ہی خوش ہوا"۔

پیر و مرشد نے بات بالکل صاف کر دی کہ حضرت حاجی صاحب ایسے لائق فرزند معنوی ہیں کہ باپ سے جو کچھ ملا ہے اس کی حفاظت تو دل و جان سے کر ہی رہے ہیں، ساتھ ہی اس ورثہ میں اضافہ کے لیے ہمہ تن مصروف ہیں، پھر کوئی باپ اور رہنما ایسے لائق فرزند سے خوش نہیں ہوگا اور اس کے دل سے دعائیں نہیں نکلیں گی، حضرت حاجی صاحب نے مشائخ کی قدم بوسی کر کے نہ صرف یہ کہ دعائیں لیں اور استفادہ کیا بلکہ متعدد مشائخ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا، ان میں حضرت مولانا سید ولایت علی، حضرت میاں جی کریم بخش، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، حضرت مولانا سید محمد امام قادری، حضرت شاہ راج خانؒ قابل ذکر ہیں اور سلسلے کے شجرات بھی موجود ہیں۔

حضرت میاں جی کی وفات

حضرت حاجی صاحب کی حج سے واپسی کے بعد زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ حضرت

میاں جی سخت بیمار ہو گئے، حضرت حاجی صاحبؒ عیادت و خدمت کے لیے رامپور شیخ کی خدمت میں تشریف لے گئے، حضرت میاں جیؒ کا وقت موعود آ پہنچا تھا، اسی تشویشناک حالت میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ ''رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ''

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت میاں جیؒ کو اپنی وفات کے آثار پہلے سے دکھائی دے رہے تھے اسی لیے حضرت حاجی صاحبؒ سفرِ حج میں تھے پیر و مرشد کو ان کی واپسی کا شدت سے انتظار تھا اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ''ان کی دیری میں میری عمر بڑھ گئی'' انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں حاجی صاحب سے ملاقات پر جو کچھ دینا تھا وہ عطا فرما دیا، ذکر و اذکار اور دیگر معمولات بتا دیئے اور جان جاں آفریں کے سپرد کرنے کی تیاریاں شروع ہو گئیں، بالآخر اپنے محب صادق حضرت حاجی صاحبؒ کی موجودگی میں احکم الحاکمین کے حضور میں حاضر ہو گئے، لیکن حضرت حاجی صاحبؒ پر پیر و مرشد کی وفات کا گہرا اثر ہوا، دنیا سے وحشت ہو گئی، لوگوں سے ملنا ملانا بھی چھوڑ دیا، دنیا بے زاری نے جب ایک قدم آگے بڑھایا تو گھر کا سارا اثاثہ کپڑے وغیرہ فقراء کو دیدیئے اور ایک تہ بند باندھ کمبل اوڑھ کر چھتہ مسجد میں آ پڑے، اسی مسجد کے ایک حجرہ میں عمر گرامی کے ساٹھ سال گزار دیئے۔ نہ کہیں آنا نہ کہیں جانا، البتہ اس زہد و تقویٰ کی راہ میں سختیاں پیش آئیں لیکن حضرت حاجی صاحب ان شدائد کو صبر و شکر کے ساتھ جھیلتے رہے، پائے ثبات میں کبھی لغزش نہیں آئی اور نہ ہی کسی پر اپنی پریشانیوں کا اظہار فرمایا۔

اتباعِ سنت

حضرت حاجی صاحب کا اتباعِ سنت مشہور تھا، وہ سنت کے دائرہ سے قدم باہر نکالنے کو محرومی سمجھتے تھے، خود تو سنت کے پابند تھے ہی اپنے ارادت مندوں کو بھی سنن پر عمل کرنے کی تاکید فرماتے تھے۔ پیر جی محمد انورؒ جو آپ کے خلیفہ و جانشین تھے۔ سلوک کے منازل طے کرتے ہوئے وہ مقام نور تک پہنچ گئے تو انھوں نے کھانا پینا ترک کر دیا، حضرت حاجی صاحب کو ان کے اس زہد کا حال معلوم ہوا تو آپ نے ایک مکتوب اس مضمون کا تحریر فرما کر بھیجا۔

''بشریت کے خلاف مت کرو، خدا کا معاملہ بشر کے ساتھ جب ہی تک رہتا ہے کہ جب تک بشریت ہے، ورنہ ملائکہ عبادت کے لیے بہت ہیں، پچھ دو چمچہ بطریق مسنون کھالیا کرو'' (تذکرۃ العابدین، ص:٦٧)

حضرت راج خاں کی خدمت میں

حضرت میاں جیؒ کے انتقال کے بعد اضطراب اور بے چینی کے عالم میں حضرت حاجی صاحب نے دہلی کرنال اور پانی پت کا سفر کیا، اسی سفر میں شیخ طریقت حضرت راج خاں صاحبؒ کی خدمت میں حاضری دی، ان بزرگوار سے بھی خوب خوب استفادہ کیا، حضرت حاجی صاحب کی باطنی کیفیات حضرت راج خاں صاحب پر منکشف ہوگئیں، انھوں نے بھی خرقۂ خلافت سے نواز دیا، حاجی صاحب کو ان بزرگوار سے بھی بہت فائدہ ہوا، تصوف کی تاریخ میں ایسے مشائخ بہت کم ہیں جن کو بیک وقت کئی بزرگوں سے خرقۂ خلافت ملا ہوا حضرت حاجی صاحبؒ کا معاملہ تو بالکل جداگانہ تھا، جس زاویہ و خانقاہ میں تشریف لے گئے اس کے شیخ تمام تر روحانیت کے ساتھ متوجہ ہوگئے اور حاجی صاحبؒ کو اپنا بنالیا، یہ بھی حضرت حاجی صاحب کا کمال توازن تھا کہ کسی شیخ کی برتری اور کہتری کا ذکر زبان پر نہیں لائے، سب کا یکساں احترام کیا اور سب سے استفادہ کرنے میں پوری ہمت صرف کی، جس کے نتیجے میں حضرت حاجی صاحب مشائخ کی نظر میں مقبول اور محترم تھے۔

چلۂ نشاء

حضرت حاجی صاحب حضرت راج خاں صاحب سے استفادہ کے بعد دیوبند واپس تشریف لائے، باشندگان دیوبند نے پرتپاک خیر مقدم کیا، چند دنوں کی دوری و مہجوری بھی عوام و خواص کو برداشت نہیں تھی لیکن حضرت حاجی صاحب پر عجیب کیفیت طاری تھی اور سفر سے واپسی کیا ہوئی پھر عام لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئے، چودھری صابر بخش کی مسجد میں

چلہ کیا، صوفیہ کی اصطلاح میں یہ چلۂ نشا، تھا میعاد پوری ہوئی تو عقیدت مندوں کا ہجوم امنڈ پڑا اور آپ کا استقبال کرنے کے لیے مسجد میں پہنچ گئے، حضرت حاجی صاحب ؒ مسجد کے برآمدے میں فرد کش ہوئے ضعف بڑھ گیا تھا، کمزوری سب کو نظر آ رہی تھی، اس لیے ڈولی میں بیٹھا کر مسجد سے لے آئے۔

اس چلہ سے وہ روحانی مقامات حاصل ہوئے جن سے حضرت حاجی صاحبؒ کی شخصیت میں جذب وکشش کا قابل لحاظ اضافہ ہوا، خلق خدا متوجہ ہوگئی اور لوگ پروانہ وار حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور دست بوسی کو ذریعۂ خیر وبرکت سمجھتے تھے، حضرت حاجی صاحبؒ کے تذکرہ نگار مولانا نذیر احمد مرحوم جو آپ کے خلیفہ بھی تھے، لکھتے ہیں کہ اس چلہ کے بعد آپ کی جو کیفیت ہوئی وہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے، مولانا نے صحیح فرمایا کہ روحانی کیفیت کو الفاظ کے سانچے میں کیسے ڈھالا جا سکتا ہے۔

چھتہ کی مسجد میں

روحانی مدارج طے کرنے کے بعد حضرت حاجی صاحبؒ چھتہ کی مسجد میں آ بسے، اسی مسجد میں ایک ''توجہ خانہ'' بنوایا، اس میں روحانی حلقے منعقد ہوتے تھے اور خلق خدا فیض یاب ہوتی تھی، یہ سلسلہ فیض مدت العمر جاری رہا اور حضرت حاجی صاحبؒ کے بحر معرفت سے اپنے اپنے ظرف کے مطابق اپنی روحانی تشنگی بجھاتے رہے قابل توجہ ہے کہ اٹھائیس سال تک حضرت کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔

معمولات زندگی

حضرت حاجی صاحب اپنے معمولات اور اوقات کے بہت پابند تھے، جس کام کے لیے جو وقت مقرر تھا اسی میں وہ کام کرنے کے عادی تھے، جب تک مدرسہ اور جامع مسجد کا کام متعلق تھا وہ بھی متعین اوقات میں کرتے تھے اور علیحدگی کے بعد وہ اوقات دیگر کاموں کے لیے

وقف کردیے تھے لیکن جب مدرسہ ومسجد کے کاموں میں مشغولیت رہتی تھی، اس زمانہ میں بھی معمولات میں فرق نہیں آنے دیا۔

معمول یہ تھا کہ اول وقت میں فجر کی نماز جماعت سے پڑھ کر حجرے میں تشریف لے جاتے اور آٹھ دس بجے تک ذکر واذکار میں مشغول رہتے، پھر حجرہ سے باہر آکر خلق خدا کو فیض پہنچاتے، روزانہ خاصا ہجوم رہتا تھا، کوئی بیعت کے لیے آتا تو کوئی تعویذ لینے کے لیے آتا تھا، بہت سے لوگ ذکر واشغال پوچھنے کے لیے آتے تھے حضرت حاجی صاحب سب کی ضروریات کو توجہ کے ساتھ سماعت فرماتے اور حسب منشاء ضرورت پوری کرتے تھے۔

معمولات میں پختگی کا یہ عالم تھا کہ جب مدرسہ ومسجد کے کاموں میں مصروف رہتے تھے اس زمانہ میں بھی معمولات میں فرق نہیں آتا تھا، ایک بجے رات میں بیدار ہونا، تہجد اور ذکر واشغال میں فجر کی نماز تک مشغول رہنا اور نماز فجر کے بعد آٹھ بجے تک حجرہ میں دیگر معمولات میں مصروفیت روزانہ کا معمول زندگی تھا، تذکرہ نگار مولانا نذیر احمد مرحوم لکھتے ہیں کہ "عوام کا مجمع کثیر رہتا تھا"۔ یہ مقبولیت اللہ تعالیٰ کا عطیہ تھا ورنہ اس دور میں مشائخ کی اچھی تعداد تھی اور بلند مقام مشائخ تھے، لیکن حضرت حاجی صاحبؒ پر اللہ تعالیٰ کا فضل خاص تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان سے عظیم الشان کام لیے جن کا تصور بھی مشکل تھا۔

حضرت حاجی صاحبؒ ایسے واردین کو جن کا کام پورا نہیں ہوتا تھا ان کو روک لیتے تھے ان کے قیام وطعام کا معقول انتظام فرماتے تھے، مہمانوں کی کثرت رہا کرتی تھی، اسی کے پیش نظر حضرت حاجی صاحبؒ کا دسترخوان بھی وسیع رہتا تھا، زمانہ صحت میں ہمیشہ پیر اور جمعرات کو حلقہ کرتے تھے اس حلقہ میں ذاکرین وشاغلین کا ہجوم رہتا تھا، نماز مغرب کے بعد نوافل اور ختم خواجگان سے فارغ ہوکر مہمانوں اور مریدین سے باتیں کرتے تھے عشاء سے پہلے کھانا کھانے کا معمول تھا، عشاء کی نماز کے بعد گھر تشریف لے جاتے تھے، گھر میں بہت سی ضرورت مند خواتین جمع رہتی تھیں، حضرت حاجی صاحب ان مستورات کی ضروریات سماعت فرماتے اور جس کا جو کام ہوتا تھا وہ پورا فرماتے، تقریباً گیارہ بجے رات میں سونے کا موقعہ میسر

آپ کا معمولات میں ایک دائمی معمول یہ بھی تھا کہ ہر جمعہ کو بعد نماز مغرب میلاد کرتے تھے، اور اس میں زر کثیر صرف ہوتا تھا، اس کے علاوہ رمضان المبارک میں لنگر خانہ عام ہوتا تھا اور کم وبیش دو سو آدمی لنگر سے کھانا کھاتے تھے۔

سلسلہ کے بزرگان دین کی تاریخ وفات پر نیاز ہوا کرتی تھی اور حاضرین کو کھانا کھلایا جاتا تھا، اسی طرح ہر سال پیران کلیر اپنے مریدین کو ہمراہ لے کر تشریف لے جاتے، قیام آٹھ دس روز ہوا کرتا تھا اس موقعہ پر لنگر کا اہتمام ہوتا اور کھانا کھانے والوں کی بڑی تعداد ہوتی تھی، مولانا نذیر احمد مرحوم لکھتے ہیں کہ "ایک چھوٹا سا میلہ ہو جاتا تھا اور بالاعرس ہر طرف سے مخلوق آ کر جمع ہو جاتی تھی"، تذکرہ نگار اس کو حضرت حاجی صاحبؒ کا تصرف مانتے ہیں، خیر جو کچھ بھی ہو خلق خدا کی آمد اور ہجوم سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا یہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ چلہ کشی کے بعد خلق خدا حضرت حاجی صاحبؒ کی طرف متوجہ ہو گئی تھی اور دور دراز علاقوں میں بھی کثرت سے لوگ جاننے والے ہو گئے تھے۔

جذب و کشش اور مخلوق خدا کی توجہ صرف پیران کلیر اور اطراف دیوبند تک محدود نہیں تھی بلکہ حضرت حاجی صاحبؒ کی بزرگی اور علوِ مرتبت کا شہرہ دور دور تک ہو چکا تھا جو اللہ کا ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ہو جاتے ہیں، اس کا ذکر آسمانوں اور زمین ہر جگہ ہوتا ہے اور شہرت کے پر لگ جاتے ہیں، جبینِ عقیدت خود بخود جھک جاتی ہے، ان بزرگوں میں کوئی تکلف ہوتا ہے اور نہ تصنع بلکہ سادگی ایسی ہوتی ہے جس میں بلا کی کشش ہوتی ہے اور بزرگوں کی نظر کیمیا اثر اپنا کام کر جاتی ہے، چناں چہ حضرت حاجی صاحبؒ جہاں بھی تشریف لے گئے انسانوں کے امنڈتے ہوئے سیلاب نے ان کا استقبال کیا اور فرطِ جذبات سے لوگ حلقہ بگوش ہو گئے۔ یہی منظر نگاہوں کے سامنے اجمیر میں آیا۔

عرس کا موسم تھا، ہزار ہا ہزار لوگ جن میں درویش وفقراء، دیندار اور دنیادار ہر قسم کے افراد موجود تھے، حاجی صاحب بھی اپنے معمولی قافلہ کے ساتھ اجمیر وارد ہوئے، قیام ایک سرائے میں ہوا، نہ جانے کیسے عام لوگوں کو حضرت حاجی صاحب کی آمد کا علم ہو گیا اور خواص

نے بھی سنا اب کیا تھا؟ خلق خدا ٹوٹ پڑی اور سرائے میں تل دھرنے کی جگہ نہیں رہ گئی، بہت سے رئیسوں نے حضرت حاجی صاحبؒ سے درخواست کی کہ حضور ہمارے وسیع مکان میں تشریف لے چلیں ہم خدمت کے لیے حاضر ہیں لیکن حضرت حاجی صاحبؒ نے نفع عام کی خاطر کسی کی درخواست منظور نہیں فرمائی اور صاف الفاظ میں فرمایا کہ فقیر تو سرائے ہی میں رہے گا، چناں چہ حاجی صاحبؒ کا قیام سرائے ہی میں رہا اور عام لوگ آپ کے فیض و برکات سے مستفید ہوتے رہے۔

خواجہ اجمیری کے مزار پر

حضرت حاجی صاحب کا قیام تو سرائے میں رہا لیکن فیض و برکات کے لیے مزار پر بھی حاضری دی، مولانا نذیر احمد دیوبندی جو اس سفر میں حاجی صاحب کے ہم رکاب تھے ان کا بیان ہے کہ مزار پر گئے تو آپ کی عجیب کیفیت تھی اس کو بیان کرنے سے زبان و قلم درماندہ و عاجز ہیں، یہ ضرور دیکھا کہ وہاں ہر درویش آ کر ملتا تھا اور مجاذیب سلام کرتے تھے اور اپنے سروں پر ہاتھ رکھواتے تھے حاجی صاحب مزار پر مراقب ہوئے، اس وقت کا منظر ہی عجیب تھا اس کو کن الفاظ میں بیان کیا جائے، ہاں یہ ضرور دیکھا کہ مراقبہ سے فارغ ہو کر اٹھے تو صوفی جان صاحب جو اس وقت وہاں موجود تھے اپنے حجرہ میں لے گئے، ابھی آپ بیٹھے ہی تھے کہ حضرت گدڑی شاہ آ گئے، حاجی صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل کیا، صوفی جان صاحب نے گدڑی شاہ کا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ شاہ صاحب سندھ کے رہنے والے ہیں، عمر سو سال سے زیادہ ہے اور پچاس برس سے زیادہ عرصہ گزرا کہ آپ یہاں پہاڑ پر رہتے ہیں اور سالک و مجذوب ہیں، اس تعارف کے ذرا دیر بعد حاجی صاحب پر عجیب جذبی کیفیت طاری ہوئی اور گدڑی شاہ سے سندھی زبان میں گفتگو فرمانے لگے، حالاں کہ حضرت حاجی صاحبؒ سندھی زبان سے قطعاً واقف نہیں تھے۔ لیکن یہ جو مشہور ہے کہ اولیاء اللہ ہر زبان جانتے ہیں اس کا مشاہدہ حاجی صاحب کی برجستہ گفتگو سے ہو گیا۔

گدڑی شاہ صاحب نے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا لیکن ہر ملاقات کی کیفیت

جداگانہ ہوتی تھی، اخیر میں شاہ صاحبؒ نے حضرت حاجی صاحبؒ کے کمال کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا کہ چالیس سال کے بعد میں نے اس شیر کو دیکھا ہے۔

جوناگڑھ کے نواب

اجمیر میں قیام کے دوران حکیم محمد حسن اور مولوی امیر الدین صاحب نے حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر نواب صاحب جوناگڑھ کی درخواست پیش کی کہ حضور والا جوناگڑھ تشریف لے چلیں نواب رسول بخش صاحب آپ سے ملاقات کے بے حد مشتاق و متمنی ہیں، حاجی صاحب نے جوناگڑھ جانے سے صاف انکار کردیا لیکن حکیم محمد حسن اور مولوی امیر الدین کی مسلسل درخواست اور اصرار پر آمادگی ظاہر فرمادی، مگر ہاں اس مرد فقیر نے شرط پیش فرمائی کہ میں جہاں چاہوں گا ٹھہروں گا اور جب طبیعت چاہے گی رخصت ہوجاؤں گا، ایک شرط یہ بھی ہے کہ میرے ساتھ تعظیم و تکریم کا معاملہ نہ ہو۔ حاجی صاحب جانتے تھے کہ نواب اور امراء تعظیم و تکریم اور استقبال میں اسراف کرتے ہیں، اپنی شان دکھانے کے لیے توپوں کی سلامی دیتے ہیں، بندوقیں داغی جاتی ہیں، استقبالیہ دروازے بنائے جاتے ہیں، منقش ریشمی ڈوریوں میں شمعیں فروزاں کی جاتی ہیں، برق انداز اور تیغ بردار دو رویہ کھڑے ہوکر شاہانہ استقبال کرتے ہیں، نقارے بجائے جاتے ہیں اور مہمان کے لیے مخصوص محل کو آراستہ کیا جاتا ہے، اس لیے حاجی صاحب نے وہ سارے رشتے کاٹ دیئے جن میں دنیا کی شان و شوکت نظر آتی ہے، لیکن عقیدت مند بھی مستعد تھے، انھوں نے شرط منظور کرلی اور وعدہ کیا کہ ایسا کوئی کام نہیں ہوگا جس سے دنیا کی جلوہ سامانی ہوتی ہو، اسی مضمون کا تار نواب رسول بخش کی خدمت میں بھیج دیا نواب صاحب بھی منتظر ہی تھے، بلا تاخیر جوابی تار بھیجا کہ حضرت والا تشریف لائیں ہمیں شرطیں منظور ہیں۔

جوناگڑھ میں

چناں چہ حاجی صاحب جوناگڑھ تشریف لے گئے اور ایک مسجد میں جاکر ٹھہرے، نواب

صاحب کوتشریف آوری کی اطلاع ہوئی تو اپنے قاصد کے ذریعہ درخواست کی کہ مسجد کے بجائے قیام اس مکان میں فرمائیں جو پہلے سے تجویز کردہ ہے، اس میں ہر طرح کی سہولیات بہم پہنچائی گئی ہیں اور سامنے مسجد بھی ہے۔ حاجی صاحب نے نواب صاحب کی درخواست سننے کے بعد فرمایا کہ فقیر تو مسجد ہی میں ٹھہرا کرتا ہے، مگر عقیدت مند بھی کب ہمت ہارنے والے تھے، منت وسماجت کا سلسلہ جاری رہا، تا ایں کہ حضرت حاجی صاحب نے مکان میں قیام منظور فرمالیا اور عقیدت مندوں کی باچھیں کھل گئیں۔

حاجی صاحبؒ اس مکان میں منتقل ہو گئے، نواب صاحب خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، اور عرض معروض کے بعد درخواست پیش ہوئی کہ روزانہ تین سو روپے آں جناب کی خدمت میں پیش کئے جائیں گے وہ آں محترم اپنے دست اقدس سے فقراء ومساکین میں تقسیم فرمادیں، حاجی صاحب نے فرمایا کہ اس کی کیا ضرورت ہے؟ نواب صاحب نے عرض کیا کہ حضور اس میں میری بدنامی ہوگی کہ نواب کے پیر آئے اور نواب نے کچھ نہیں دیا، حاجی صاحب خاموش ہو گئے اور نواب صاحب وعدہ کے مطابق روزانہ تین سو روپے خدمت اقدس میں بھیجتے تھے اور حضرت حاجی صاحب اپنے دست مبارک سے فقراء ومساکین میں تقسیم فرمادیتے تھے یہ سلسلہ حضرت حاجی صاحب کے قیام تک جاری رہا، اس غیر معمولی رقم کے علاوہ حضرت والا کے ساتھ کتنے مہمانوں کے کھانے کا نظم ہوتا تھا اس کی تفصیل تو نظر سے نہیں گزری لیکن محتاط اندازے کے مطابق سو سے زائد ہی رہتے ہوں گے، اس لیے کہ مولانا نذیر احمد صاحب نے لکھا ہے کہ آدمیوں کا بہت بڑا ہجوم رہتا تھا اور نواب صاحب بھی روزانہ سلام کے لیے حاضر ہوتے تھے۔

جونا گڑھ سے واپسی

حضرت حاجی صاحب کے قیام کو ابھی کل آٹھ دن ہوئے تھے کہ ارشاد عالی ہوا کہ "فقیر اب جائے گا" چوں کہ آں جناب کے شرائط میں یہ بات بھی تھی کہ جب چاہوں گا واپسی

ہو جائے گی، اسی لیے کہ کسی کو کچھ عرض معروض کرنے کی ہمت نہیں ہوئی ادھر نواب صاحب نے واپسی کی خبر سن کر دواعیہ کا انتظام شروع کر دیا، بیس ہزار روپے کے سامان خدمت اقدس میں پیش کرنے کے لیے مستعد ہو گئے کسی نے حاجی صاحب کو اس کی اطلاع بہم پہنچادی، آپ نے مولوی امیر الدین صاحب سے فرمایا کہ فقیر اس کے لیے نہیں آیا تھا، ایسا ہرگز نہ کیا جائے میرے سامنے تو آپ کی خوشی تھی سو میں نے آپ کو خوش کر دیا۔

مولوی امیر الدین نے نواب صاحب سے حضرت حاجی صاحب کی بات نقل کی، نواب صاحب خاموش ہو گئے اور مولوی امیر الدین سے فرمایا کہ حضرت اقدس کو دیوبند تک پہنچا آئیں، چناں چہ آٹھویں روز دیوبند کے لیے روانگی ہوئی اور مولوی امیر الدین ہمراہ تھے۔

چند واقعات

ایک فوجی رسال دار اپنی اہلیہ کو ہمراہ لے کر دیوبند حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے انھوں نے بتایا کہ میری اہلیہ بارہ سال سے بیمار ہیں، صدہا علاج کئے لیکن بیماری نہیں گئی، حکیم اور ڈاکٹر بیماری بتاتے ہیں اور بہت سے لوگ آسیب کہتے ہیں، اللہ بہتر جانتا ہے کہ اہلیہ کو ہوا کیا ہے؟ بارہ سال سے حمل کی صورت بھی نمایاں ہے معلوم ہوتا ہے کہ چار مہینے کا بچہ پیٹ میں ہے، دائیاں بھی حمل کی تصدیق کرتی ہیں تھک ہار کر آپ کی خدمت میں علاج کے لیے حاضر ہوا ہوں۔

حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ ٹھہریئے مغرب کی نماز کے بعد علاج کا انتظام کیا جائے گا چناں چہ حسب ارشاد حاجی صاحب نے ایک نقش جنوں کو حاضر کرنے کے لیے روشن کیا اور اس عورت کے سامنے رکھا گیا، ابھی نقش روشن ہی ہوا تھا کہ زوردار آمد محسوس بھی ہوئی، معلوم ہوتا تھا کہ مکان گر جائیں گے اور چھپر اڑ جائیں گے لوگ ڈر گئے لیکن نقش پر اس آندھی کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیا اور وہ روشن ہی رہا۔

تھوڑی دیر کے بعد اس عورت نے نہایت گرج دار اور قہر آلود لہجہ میں کہا کہ مجھے کیوں

طلب کیا ہے؟ سن لو میں جنوں کا امیر ہوں، میرے ساتھ بہت بڑا لشکر ہے، میں ابھی جو چاہوں وہ کر سکتا ہوں حضرت حاجی صاحب نے اس تند و تلخ گفتگو کا جواب نہایت متانت اور وقار کے ساتھ ان الفاظ میں دیا کہ آپ نے جو کچھ کہا ہے وہ درست ہے ہم تو یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آپ اس عورت کو کیوں ستاتے ہیں اس سے کوئی قصور ہوا ہو تو اسے معاف کر دیں۔

جنوں کے امیر نے جواب دیا ہرگز نہیں، آپ میرے ساتھ انصاف نہیں کر رہے ہیں آپ کو معلوم ہے کہ اس عورت نے میرے اوپر کس قدر ظلم کیا ہے؟ اس نے میرے بارہ سال کے لڑکے کو قتل کر دیا ہے حاجی صاحب نے فرمایا کہ وہ کیسے؟

اس نے کہا کہ میرا لڑکا بلی بنکر سیر و تفریح کیا کرتا تھا، ایک دن اس کے گھر بھی پہنچ گیا اس عورت نے طوطا پالا تھا وہ بلی کو دیکھ کر بھڑک گیا اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ اس بلی کو مار ڈالا، اس وقت سے میں غصہ میں ہوں اور سخت ناراض بھی لیکن مسلمان سمجھ کر زیادہ ایذا رسانی اور تکلیف دہی سے باز رہا، حاجی صاحب نے فرمایا کہ آپ اس کا قصور معاف کر دیں، اس نے کہا ہرگز نہیں، پھر غصہ میں کہا کہ حاجی صاحب آپ مجھ کو رخصت کر دیجئے ورنہ جماعت سے محروم ہو جاؤں گا حاجی صاحب نے فرمایا میں بھی نماز کے لیے جاؤں گا، سنئے آپ مسلمان ہیں اور یہ بھی مسلمان ہے، آپ اس کا قصور معاف ہی کر دیں، غلطی انسان سے ہو ہی جاتی ہے جنوں کے امیر نے حضرت حاجی صاحب کی بات مانتے ہوئے کہا اچھا معاف کر دیا، حاجی صاحب نے نقش بجھا دیا اور نماز کے لیے تشریف لے گئے۔

نماز کے بعد عورت سے پوچھا گیا کہ کیا جن کی بات صحیح تھی؟ اس نے واقعہ کی صداقت کا اعتراف کیا صبح وہ عورت بالکل تندرست تھی کسی طرح کی کوئی تکلیف اس کو نہیں تھی، پھر میاں بیوی ہنسی خوشی حضرت حاجی صاحب کے یہاں سے رخصت ہوئے۔

چھ مہینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی گود بھر دی اور نرینہ اولاد پیدا ہوئی، اظہار مسرت اور شکریہ کے لیے میاں بیوی حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شیرینی خدمت اقدس میں پیش کی، پھر میاں بیوی دونوں حضرت حاجی صاحب سے بیعت ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت حاجی صاحب ت کو فقر و درویشی سے نوازا ہی تھا اس لیے اس طرح کے واقعات بہت ہیں، ان کا احاطہ کہاں تک کیجئے البتہ جن لوگوں کو حضرت حاجی صاحب کے عمل و عملیات سے دلچسپی ہو اور مزید معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ ''اعمال عابدیہ'' اور ''اوراد العابدین'' کا مطالعہ فرمائیں، یہاں تو کمالات کے تعارف میں چند واقعات پیش کئے جا رہے ہیں، تو لیجئے سنئے ایک داروغہ کا واقعہ۔

داروغہ نور الدین

نور الدین تھانہ دیوبند کے داروغہ تھے انھوں نے ایک مجرم کو تھانہ میں مارا پیٹا، قصد وارادہ مار ڈالنے کا نہیں تھا اتفاق کی بات کہ وہ اس مار پیٹ سے مر گیا، نور الدین پر قتل کا مقدمہ قائم ہو گیا، داروغہ نے بری ہونے کی سب تدبیریں کر ڈالیں لیکن کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی اور سزا کا امکان قوی ہو گیا آخر میں یہ حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں آئے اور قدموں پر گر پڑے، روئے اور بہت روئے حاجی صاحب نے توجہ فرمائی اور کہا کہ کچھ نہیں ہوگا جاؤ۔

داروغہ مقدمہ کی تاریخ پر سہارنپور گیا، مقدمہ خارج ہو گیا داروغہ نہ صرف یہ کہ بے داغ بری ہوا بلکہ اس کی ترقی بھی ہو گئی۔

منصور پور کا مقدمہ

منصور پور ضلع مظفر نگر کا مشہور قصبہ ہے یہاں کے رئیس (۱) پر ایک مقدمہ تھا مظفر نگر کے سکندر شاہ مجذوب، رئیس منصور پور کے دشمن تھے ہر شخص ناامیدی کا شکار تھا، سب کو یقین ہو چلا تھا کہ رئیس صاحب بچ نہیں سکیں گے، مقدمہ سے بری ہونے کی حضرت حاجی صاحب سے دعا کرائی گئی، حضرت حاجی صاحب نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہوا منصور پور کے رئیس بے داغ بچ گئے۔

---

(۱) یہ مولانا قاری محمد عثمان صاحب صدر جمعیۃ علماء (م) کے پردادا تھے۔

رئیس کلاس پور[1]

محمد نعیم خاں صاحب رئیس کلاس پور کا اپنے بھائیوں سے کسی معاملہ میں اختلاف رائے ہوا، رنجش اتنی بڑھی کہ بھائیوں نے محمد نعیم خاں کے خلاف عدالتوں میں چارہ جوئی کر دی، محمد نعیم خاں پریشانیوں اور الجھنوں کا شکار ہو گئے، سلجھنے کی کوئی صورت نظر نہیں آئی، مقدمات چلتے رہے، پریشانیاں جب حد سے گزریں تو گھبرا کر حضرت حاجی صاحب کے قدموں میں آپڑے، پریشانیوں کا اظہار کیا، آپ نے فرمایا گھبراؤ مت تم کو ہر جگہ کامیابی ملے گی، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے حاجی صاحبؒ کی پیش گوئی پوری فرما دی اور محمد نعیم خاں صاحب کو ہر مرحلہ پر کامیابی ملی اور پریشانیاں دور ہوئیں۔

مقدمات میں کامیابی کے بعد خاں صاحب خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور ایک گاؤں حاجی صاحب کو دینے کی پیشکش کی، حاجی صاحب نے فرمایا کہ میں نے تو خود اپنی جائداد لوگوں کو دیدی میں زمین جائداد لے کر کیا کروں گا؟ یہ فرما کر پیشکش ٹھکرا دی، ایسا ہی واقعہ رئیس فرخ نگر کا بھی ہے مولانا نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ تو میرے سامنے کا ہے۔

رئیس چھتاری

کنور محمد عبد العلی خاں سے بندوبست کا انگریز حاکم اشٹو کرناراض ہو گیا، حکومت انگریزوں کی تھی، سکہ انھیں کا رواں دواں تھا، اس نے نواب صاحب کی رعایا کو بگاڑ دیا، لوگ دشمن ہو گئے، نواب صاحب انگریز حاکم کی دراندازی کی وجہ سے کچھ نہیں کر سکتے تھے پیر تلے سے زمین کھسک رہی تھی، ان پریشانیوں میں حضرت حاجی صاحب پر نظر جمی، رخت سفر باندھ کر حضرت کی خدمت میں پہنچ گئے، دعا کی درخواست کی، حاجی صاحب نے فرمایا جاؤ انشاء اللہ کچھ نہیں ہوگا، کنور صاحب مطمئن ہو گئے بالآخر انگریز حاکم حاجی صاحب کی دعا کے مطابق کنور

(۱) اب یہ کیلاش پور (ضلع سہارنپور) کے نام سے مشہور ہے۔

صاحب کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔

ایک موقع پر ندرئی کے لوگوں کی درخواست پر حضرت حاجی صاحب ندرئی تشریف لے گئے، یہ مقام چھتاری کے قریب تھا کنور صاحب کو تشریف آوری کی اطلاع ہوئی تو خدمت اقدس میں حاضر ہوکر چھتاری تشریف لانے کی درخواست پیش کی حاجی صاحب نے درخواست منظور فرمالی اور کہا کہ ندرئی سے واپسی پر انشاء اللہ دو دن چھتاری میں قیام کروں گا چناں چہ کنور صاحب کی خواہش کے مطابق ندرئی سے واپسی میں چھتاری تشریف لائے اور دو دنوں قیام کیا۔

کنور صاحب چوں کہ حاجی صاحب کی دعاؤں سے مستفید ہو چکے تھے قیام کے دوران ایک سینی میں روپئے اور دوسری سینی میں کپڑے اور جوڑے رکھ کر خدمت میں حاضری دی اور نذرانہ کو قبول کرنے کی درخواست پیش کی، اس درویش خدامست نے نذرانہ پر نظر ڈالی اور فرمایا کہ فقیر اس کے لیے نہیں آیا ہے آپ کی خواہش تھی سو وہ پوری کردی گئی، فقیر اگر گھوم پھر کر دولت جمع کرتا تو بہت کچھ جمع کر لیتا، ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر کوئی شخص چھتہ مسجد کے لیے ایک پیسہ بھی دیتا ہے تو لے لیتا ہوں یہ کہہ کر نذرانہ واپس کردیا۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

میں نے ابھی کہا تھا کہ اس طرح کے واقعات بہ کثرت ہیں، ان کو کہاں تک بیان کیا جائے، حاجی صاحب کے یہاں تو امیر کبیر اور غریب و فقیر سب کا ہجوم رہتا تھا، لیکن حاجی صاحب کبھی دل تنگ نہیں ہوئے اور نہ پیشانی پر بل آیا، مہمانوں کو ہر طرح کی سہولت بہم پہنچاتے تھے، واردین میں الگ الگ ذہن و مزاج کے لوگ ہوتے تھے، حاجی صاحب سب کو انگیز کرتے تھے، ایسا بھی ہوتا تھا کہ کسی وارد و صادر نے پچاس تعویذ لکھوائے، حاجی صاحب نے لکھ کر عنایت فرمادیے اور جب وہ اٹھنے لگا تو دوبارہ درخواست کردی کہ فلاں آدمی کے لیے تو تعویذ رہ ہی گیا ایک اور لکھ دیجئے حاجی صاحب نے بلا تامل ایک اور لکھ کر دے دیا۔

لیکن ایسے درویش و فقیر کو بھی ضعیفی میں ستایا گیا، ایذا رسانی کی گئی معاملہ زمین و جائداد

کو نہیں حق گوئی کا تھا بات ہمیشہ پچی اور کھری کھری کہتے اس میں کسی کی کوئی رعایت نہیں فرماتے تھے انھوں نے حق کے لیے جینا اور مرنا سیکھا تھا اسی پر عمر بھر قائم رہے، فرماتے تھے کہ جو شخص مجھ کو دن بھر برا کہتا ہے میں اس کو رات میں معاف کر دیتا ہوں حاجی صاحب یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ فقیر وہ ہے جو برا کہنے والے کو بھی برا نہ کہے اور کوئی بدنی یا قلبی یا عملی تکلیف نہ پہنچائے، اس کی رضا پر راضی رہے۔

البتہ حاجی صاحب اس وقت غصہ سے کانپ جاتے تھے جب کوئی شخص بتاتا کہ فلاں شخص نے جائز کو ناجائز اور حرام کو حلال نیز حق کو ناحق کہا ہے حاجی صاحب کا یہ عمل بھی سنت نبوی کے مطابق ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسی ہرزہ سرائی کو برداشت نہیں فرماتے تھے البتہ آپ کی ذات اقدس کو جو نشانہ بناتا تھا اس کو معاف فرمادیتے تھے اور اس کو ہدایت کی دعا دیتے تھے حضرت حاجی صاحب کا عمل اس سنت پر رہا اور معاف کر دینا عادت ثانیہ بن چکی تھی۔

بات دور جا پڑی میں حاجی صاحب کے مستجاب الدعوات ہونے کے واقعات بیان کر رہا تھا تو دو ایک واقعے مزید سن لیجئے۔

کمشنر گوالیار

جناب محمد قاسم صاحب گوالیار میں بندوبست کے کمشنر تھے، ان پر سرکاری املاک کے خرد برد کرنے اور غبن کا مقدمہ قائم ہوا، غبن کی رقم غیر معمولی تھی، ایک لاکھ پچھتر ہزار، آج کے کروڑوں روپئے ہوتے ہیں، کمشنر صاحب بے حد پریشان ہوئے اور حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں اپنی پریشانیاں لکھ کر بھیج دیں، حاجی صاحب نے جواب میں تحریر فرمایا، گھبراؤ مت، فقیر دعا کر رہا ہے، انشاء اللہ بہتر ہوگا ادھر کمشنر صاحب کے بڑے بھائی مولوی معین الدین صاحب اپنے بھائی کے لیے پریشان تھے، یہ دعا کے لیے اجمیر پہنچ گئے۔

تارہ گڑھ کے بزرگ

مولوی معین الدین صاحب اجمیر میں بزرگوں کی خدمت میں پہنچے اور ایسے بزرگ کا

تعارف چاہا جو مستجاب الدعوات ہوں، اور ان کے تعویذات کو شرف قبول حاصل ہوتا ہو، لوگوں نے بتایا کہ تارہ گڑھ میں ایک بڑے بزرگ رہتے ہیں، ان کا تعویذ کافی ہوجاتا ہے اور کوئی ناکام نہیں ہوتا، البتہ وہ بات سننے سے پہلے پانچ روپے لیتے ہیں، تب متوجہ ہوتے ہیں، مولوی معین الدین نے دس روپے لیے اور تارہ گڑھ ان بزرگ کی خدمت میں پہنچ گئے، دس روپے ان کے حضور میں پیش کئے اس کے بعد اپنا مدعا بیان کیا، بزرگ نے مدعا سن کر فرمایا کل جواب دیا جائے گا، آج تم ٹھہر جاؤ۔

مولوی معین الدین صاحب حسب حکم ٹھہر گئے، دوسرے دن بزرگ نے دو تعویذ دیئے اور فرمایا کہ ایک تعویذ تم اپنے بازو پر باندھ لو اور ایک تعویذ اپنے بھائی کے بازو پر باندھ دو، مولوی معین الدین تعویذ لے کر شہر آگئے اور بلا تاخیر ایک تعویذ بذریعہ ڈاک محمد قاسم کمشنر کے پاس بھیج دیا پھر قیام گاہ پر آئے اور اپنا تعویذ طاق پر رکھ دیا کہ صبح سلوا کر بازو میں باندھ لوں گا، رات کو حسب معمول سو گئے، صبح اٹھے تو تعویذ طاق سے غائب تھا ہر چند تلاش کیا لیکن تعویذ نہیں ملا، حسرت وافسوس میں تارہ گڑھ پہنچ گئے، بزرگ نے دیکھتے ہی فرمایا تم بڑے بے ادب ہو تم نے خدا کے کلام کو گوبر پر رکھ دیا، دیکھو تمہارا تعویذ اس درخت پر لٹک رہا ہے، مولوی معین الدین نے اس درخت سے تعویذ کھولا اور اپنے بازو پر باندھ لیا۔

اس کے بعد مولوی معین الدین نے عرض کیا کہ جناب والا نے کامیابی کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا، آج جواب دینے کا وعدہ فرمایا تھا بزرگ نے فرمایا کہ تم گھبراؤ مت، تمہارے بھائی کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا، تمہارے بھائی کی مدد میں حاجی محمد عابد حسین صاحب لگے ہوئے ہیں ان کی وجہ سے حضرت مخدوم صاحب مع پیران چشت وہاں موجود ہیں بلکہ خواجہ صاحب بھی۔

مولوی معین الدین کہتے ہیں کہ اب مجھے حاجی صاحبؒ کی حقیقت معلوم ہوئی ورنہ اس سے پہلے میں ان کو معمولی بزرگ ہی سمجھتا تھا، اللہ تعالیٰ نے محمد قاسم صاحب کمشنر کو بے داغ بری کر دیا اور سارے مقدمات رفع ہوگئے۔

حاجی صاحب متوجہ نہیں ہوئے

ایک مرتبہ ایک داروغہ جی حاضر خدمت ہوئے، دیر تک بیٹھے رہے لیکن حاجی صاحب نے توجہ نہیں فرمائی، جب اٹھنے لگے تو انھوں نے کہا کہ مجھے کچھ عرض کرنا ہے، آپ نے فرمایا کہو کیا کہنا ہے؟ تھانیدار نے کہا میرے اوپر ایک مقدمہ تھا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے بری کر دیا البتہ اس مقدمہ کے دوران جو حال میرے اوپر گزرا اور میں اس سے دو چار ہوا وہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

وہ یہ ہے کہ میں نے اپنے گھوڑے کے لیے گھاس کھودنے پر ایک مزدور رکھا تھا، روزانہ چھ پیسے مزدوری طے ہوئی، مزدور نے شرط لگائی کہ مزدوری روزانہ شام کو مل جانی چاہیے میں نے شرط منظور کر لی، روزانہ شام کو اس کی مزدوری دے دیا کرتا تھا، مقدمہ تو چل ہی رہا تھا، حسب معمول ایک دن اس نے پیسہ مانگا، اس وقت میرے پاس پیسے نہیں تھے، میں نے کہا کل لے لینا، اس نے کہا نہیں ابھی دیجیے، مجھے اس پر بہت غصہ آیا اور اس کو ایک شخص سے قرض لے کر پیسے دیدیئے وہ پیسے لے کر چل دیا اور میں اپنا غصہ اتارنے کے لیے اس کی ٹوہ میں لگ گیا، مجھے شبہ ہوا کہ اس کا کسی عورت سے یارانہ ہے وہ پیسے لے کر اسی کے پاس جاتا ہے چناں چہ اس کے پیچھے چل پڑا تا کہ میں عین موقعہ پر اس کی پٹائی کر سکوں، وہ چلتا رہا تا آیں کہ وہ آبادی سے باہر ایک میدان میں پہنچ گیا اور میں ایک پیڑ کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا پھر وہ ملازم نظروں سے غائب ہو گیا۔

میں نے درخت کی اوٹ سے دیکھا کہ چند آدمی میدان صاف کر رہے ہیں، صفائی ہو چکی تو سقہ نے چھڑکاؤ کیا، اس کے بعد کچھ اور آدمیوں نے فرش بچھایا کرسیاں لگائیں، پھر کیا دیکھتا ہوں کہ ہر چہار سمت سے سواریاں آنا شروع ہو گئیں، بڑی شان وشوکت کے لوگ تھے سواریوں سے اتر اتر کر کرسیوں پر بیٹھ گئے، ان ہی میں یہ ملازم بھی عمدہ لباس زیب تن کئے ہوئے بیٹھا تھا۔

دربار لگا ہوا تھا، حاکم کے سامنے مقدمات پیش ہوئے، سب سے پہلے میری ہی مثل کھولی گئی، حاکم نے چودہ سال کی سزا سنائی، اتنے میں وہ نوکر اٹھا اور دست بستہ عرض کیا کہ حضور یہ ملزم کا پہلا قصور ہے، معاف کر دیا جائے، حاکم نے سفارش قبول کر لی اور قصور معاف کر دیا، پھر دوسرے مقدمات پیش ہوئے اور سب پر کچھ نہ کچھ حکم سنایا گیا، اخیر میں عربی مدرسہ کا مقدمہ پیش ہوا، اس پر حکم ہوا کہ حاجی محمد عابد کے سپرد کر دیا جائے، چناں چہ مثل حاجی محمد عابد صاحب کے حوالے کی گئی اور محفل برخاست ہوئی، لوگ اپنی اپنی سواریوں میں سوار ہو کر واپس چلے گئے اور میں بھی واپس ہو کر سرائے میں آ گیا۔

صبح کو وہ نوکر حسب معمول مقرر وقت پر آ گیا میں نے اس سے کہا کہ آج گھاس کے لیے نہ جاؤ مقدمہ کی پیشی ہے، میرے ساتھ کچہری چلنا ہے، کچہری کا وقت ہوا تو میں نے کہا گھوڑی لاؤ، وہ گھوڑی لایا اور کہا سوار ہو جائیے میں نے کہا تم سوار ہو جاؤ میں پیدل چلوں گا اس نے کہا یہ نہیں ہو سکتا، میں خاموش ہو گیا اور دونوں ہی کچہری پیدل گئے، میں نے ملازم سے کہا کہ پیشی کے وقت تم میرے سامنے رہنا اس نے کہا بہت اچھا، مقدمہ پیش ہوا حاکم نے چودہ سال کی سزا تجویز کی، فوراً میرے وکیل نے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ یہ اس کا پہلا قصور ہے اس لیے قابل معافی ہے، حاکم ذرا دیر خاموش رہا پھر بری کر دیا، اب میں نے ملازم کی قدر جانی اور سمجھ میں آیا کہ وہ کیا ہے۔

کچہری سے ہم سرائے آ گئے اور میں نے اس سے اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا، اس نے ایک سرد آہ بھری اور کہا تم پر یہ راز فاش ہو گیا، خیر یہ مجلس جناب رسول اللہ ﷺ کی تھی، یہ کہہ کر وہ ملازم باہر چلا گیا، پھر واپس نہیں آیا، میں نے ہر ممکن حد تک اس کو تلاش کیا لیکن آج تک اس کا سراغ نہیں مل سکا، اسی روز سے میں آں جناب کی زیارت کا مشتاق تھا، حاجی صاحب نے فرمایا کہ ان باتوں میں کیا رکھا ہے اور میں ایسی باتیں نہیں سنا کرتا، جو تمہارا مطلب ہو وہ کہو، یہ فرما کر مکان کے اندر چلے گئے۔

میاں محمد ہاشم اور میاں سید حسن اس واقعہ کو سن رہے تھے، حاجی صاحب کے اندر جانے

کے بعد انھوں نے داروغہ سے دوبارہ واقعہ سننے کی درخواست کی، بڑی منت سماجت کے بعد داروغہ جی نے واقعہ بیان کیا، پھر ان دونوں صاحبان نے اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ جو کچھ ہوا ہے وہ کسی مصلحت کی بنا پر رازدارانہ ہوا ہے۔

سفرِ حج میں

حضرت حاجی صاحب نے ساتواں حج ۱۳۳۰ھ میں کیا، قافلۂ حج میں منشی احمد علی صاحب بھی تھے، حج سے فارغ ہونے کے بعد حضرت حاجی صاحب مکہ مکرمہ ہی ٹھہرے رہے، مدینہ منورہ چند دنوں کے بعد جانے کا ارادہ تھا، رفقاءِ سفر کے ایک رفیق منشی احمد علی کو خیال ہوا کہ حضرت ابھی دیر میں مدینہ منورہ تشریف لے جائیں گے، ایک قافلہ جو کھاڑی ینبو جانے والا ہے۔ اسی قافلہ میں شامل ہو کر ہم لوگ بھی مدینہ منورہ چلے جائیں اور پختہ ارادہ بھی کر لیا، اس عزم وارادہ کے بعد حضرت حاجی صاحب سے اپنا خیال ظاہر کیا اور اجازت طلب کی، حضرت نے ذرا دیر سر جھکایا پھر ارشاد ہوا کہ تمہارا جانا مناسب نہیں ہے بلکہ جو رفیق بھی اس قافلہ میں جانا چاہتا ہے اس کو بھی روک دو، رفقاءِ سفر نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا، پھر چند دنوں کے بعد حضرت حاجی صاحب مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے، منشی احمد علی اور دیگر رفقاء حاجی صاحب کے ہمراہ ہو گئے، منشی جی کی طبیعت خراب ہو گئی، رابق پہنچ کر قافلہ نے پڑاؤ ڈالا، حاجی صاحب نے مچھلی پکوائی جب کھانے کا وقت ہوا تو منشی جی نے کہا کہ مجھے پیچش ہو گئی ہے، اجابت میں خون آ رہا ہے، میں نہیں کھاؤں گا، حاجی صاحب نے فرمایا کھاؤ نفع ہوگا چناں چہ حکم کے مطابق منشی جی نے مچھلی کھائی اور سب تکلیف رفع ہو گئی وہ بالکل صحت مند ہو گئے۔

اسی دن حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ جس قافلہ میں تم مدینہ منورہ جانا چاہتے تھے وہ قافلہ پانی کی رو میں بہہ گیا، رفقاءِ سفر یہ سن کر خاموش رہے، دوسرے دن حضرت حاجی صاحب کا قافلہ مدینہ منورہ کی طرف آگے بڑھا تو مدینہ منورہ کی طرف سے آنے والے قافلہ نے بتایا کہ جو قافلہ کھاڑی ینبو کے لیے روانہ ہوا تھا وہ دھارے میں بہہ کر ڈوب گیا۔

مدینہ کے بزرگ

ڈاکٹر عظیم الدین صاحب جنھوں نے ۱۳۱۱ھ میں حاجی صاحب کے ہمراہ حج کیا تھا، اس قافلہ حج میں حاجی صاحبؒ کے خلیفۂ اجل پیر جی محمد انور صاحب بھی شامل تھے، حج کے بعد زیارت نبوی کے لیے قافلہ مدینہ منورہ وارد ہوا، ڈاکٹر صاحب کا بیان ہے کہ میں متعدد مقامات کی زیارت کرتا ہوا دور جنگل میں چلا گیا، مدینہ منورہ سے باہر ایک چھپر دکھائی دیا، میں چھپر کے قریب گیا تو دیکھا کہ ایک بزرگ لیٹے ہوئے ہیں طبیعت ناساز ہے، چلا پھرا نہیں جا تا، ایک جگہ پڑے ہوئے ہیں، میں نے ان سے دعا کی درخواست کی انھوں نے فرمایا ''کہ تم ایسے قافلہ میں شامل ہو جس میں دو شیر ہیں، ایک حاجی محمد عابد صاحب دوسرے پیر جی محمد انور، تم ان سے دعا کے لیے کیوں نہیں کہتے تم ان سے دعا کراؤ اور اعتقاد رکھو''

ڈاکٹر صاحب کا اعتقاد حضرت حاجی سے بڑھ گیا اور ان کی قدر و منزلت کا اندازہ ہوا، اس واقعہ کے بعد جب بھی ڈاکٹر صاحب نے دعا کی درخواست کی، حاجی صاحب نے دعا کی اور ڈاکٹر صاحب اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے، ان واقعات کی روشنی میں یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ حضرت حاجی صاحب بلند مقام بزرگ اور مستجاب الدعوات تھے، بہت سے سالکین نے بھی آپ سے رجوع کیا اور فائز المرام ہوئے، اس ضمن میں بطورِ شہادت و ثبوت صرف ایک واقعہ عرض کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ۔

بہاول پور کے بزرگ

میاں رحمت اللہ شاہ صاحب بہاول پور کے رہنے والے تھے اور حاجی کنار صاحب سے بیعت تھے، ایک مدت ان کی خدمت میں گزاردی حاجی صاحب نے اپنے طریق کے مطابق اکتالیس چلے بھی کرائے لیکن میاں صاحب کو ذرا بھی نفع نہیں ہوا، ادھر حاجی کنار صاحب کا بھی انتقال ہو گیا، یہ میاں صاحب سلوک کی منزلیں طے کرنے کے لیے مارے مارے پھرتے رہے،

ہر بزرگ کے آستانہ پر پہنچے لیکن کسی آستانہ اور درویش سے فائدہ نہیں ہوا، گھومتے پھرتے دیوبند پہنچ گئے اور پٹھان پورہ کی مسجد میں قیام کیا، دوسرے دن حاجی محمد عابد صاحب کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے، ذرا دیر بیٹھ کر چلے گئے، یہ آمدورفت کئی دنوں تک جاری رہی۔

ایک روز حاجی صاحب نے دریافت فرمایا یہاں کیسے آنا ہوا؟ میاں صاحب نے کہا مجھے کچھ تنہائی میں عرض کرنا ہے، حاجی نے فرمایا حجرہ میں آجاؤ، میاں صاحب نے حجرہ میں اپنی سرگذشت سنائی اور کہا کہ مجھے خواب میں خدمت اقدس میں حاضری دینے کی بشارت ہوئی ہے، حاجی صاحب نے فرمایا کہ تمہاری نسبت مجھے بھی اشارہ ہوا ہے، اس لیے تم ٹھہر جاؤ، چناں چہ میاں رحمت اللہ شاہ صاحب قیام پذیر ہو گئے اور چھ مہینوں تک پٹھان پورہ کی مسجد میں مقیم رہے، اس مدت میں حضرت حاجی صاحب سے اکتساب فیض کا سلسلہ جاری رہا، میاں صاحب کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی اور فائز المرام ہو کر واپس ہوئے، حضرت حاجی صاحب نے خلافت عطا فرمائی اور باضابطہ نامۂ خلافت تحریر فرمایا اس پر پیر جی محمد انور صاحب نے بھی اپنے دستخط ثبت فرمائے۔

ایک درویش کا مطالبہ

ایک دن بعد نماز عشاء ایک درویش حضرت حاجی صاحب کے پاس آئے اور سلام کے بعد کہا ہم مرغ پلاؤ کھائیں گے، حاجی صاحب نے فرمایا اس وقت مرغ پلاؤ کہاں ہے؟ درویش نے کہا فقیر تو مرغ پلاؤ ہی کھائے گا، آپ ہنس کر خاموش ہو گئے، پھر باتیں کرنے لگے، اتنے میں ایک عورت آئی اس نے کہا حاجی جی یہ مرغ پلاؤ لے لو، آج بیوی جی نے مرغ پلاؤ پکوایا تھا، انھوں نے آپ کے لیے بھیجا ہے، حاجی صاحب نے مسجد کے خادم سے فرمایا کہ پلاؤ لے لو اور درویش کو دیدو، یہ ارشاد فرمایا اور مکان چلے گئے۔

اس کو اتفاق نہ کہیے بلکہ استجابت دعا کہیے درویش کے مطالبہ پر حاجی صاحب نے دعا کی ہوگی، قبولیت کے انتظار میں باتیں کرنے لگے، اتنے میں کھانا آ گیا۔

ایک خواب اور اس کی تعبیر

مولانا نذیر احمد دیوبندی جو حضرت حاجی صاحب کے سوانح نگار ہیں اور حاجی صاحبؒ کی خدمت میں رہا کرتے تھے، سفر ہو یا حضر ساتھ نہیں چھوٹتا تھا، ایک مرتبہ حاجی صاحب پیران کلیر تشریف لے گئے، مولوی نذیر احمد کو اس سفر کی اطلاع نہیں ہوئی انھوں نے رات میں خواب دیکھا کہ حضرت حاجی صاحب اور پیر جی محمد انور حضرت مخدوم صاحب کے مزار پر کھڑے ہیں، حضرت مخدوم بھی تشریف فرما ہیں، وہیں ایک چشمہ بھی جاری ہے انھوں نے اسی چشمہ کے پانی سے وضو کیا اور پانی پیا، پھر حاجی صاحب کے قریب جا کر کھڑے ہو گئے اسی موقعہ پر حضرت مخدوم صاحب نے حاجی صاحب کو ایک پگڑی عنایت فرمائی اور اشارہ کیا کہ نذیر احمد کے سر پر باندھ دو، چناں چہ حاجی صاحب نے وہ پگڑی میرے سر پر باندھ دی اور ایک قلم بھی حاجی صاحب نے عطا فرمایا جو آپ کے ہاتھ میں پہلے سے موجود تھا۔

مولانا نذیر احمد دیوبندی یہ خواب دیکھ کر بے تاب و مضطرب ہو گئے اس وقت مولوی صاحب چھتاری میں تھے، اسی دن پیران کلیر کے لیے روانہ ہو گئے، یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اسی دن منشی محمد شفیع صاحب نے پیران کلیر میں ایک خواب دیکھا کہ حضرت مخدوم صاحب کے حوض میں ایک ہاتھ کا پنجہ نکلا ہوا ہے، بہت سے لوگ اس پنجہ کو دیکھ رہے ہیں، اور جو شخص بھی اس پنجہ کے قریب جاتا ہے وہ پنجہ دور ہو جاتا ہے مولوی نذیر احمد قریب گئے تو ہاتھ سر پر رکھ دیا گیا۔

منشی محمد شفیع نے یہ خواب صبح کو حضرت حاجی صاحب سے بیان کیا، حاجی صاحب نے فرمایا کہ نذیر احمد آیا چاہتا ہے، چناں چہ تھوڑی ہی دیر کے بعد مولانا نذیر احمد صاحب خدمت اقدس میں پہنچ گئے، مولوی صاحب کو دیکھ کر حاجی صاحب نے منشی محمد شفیع صاحب سے ہنس کر فرمایا، دیکھو نذیر احمد آگئے۔

اس طرح کے واقعات کتنے ہوں گے ان کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا اور ان کا استقصاء بھی مقصود نہیں ہے بلکہ یہ حقیقت واضح کرنی ہے کہ حضرت حاجی صاحب کشف و کرامات والے

بزرگ تھے، بہت سے مشائخ صاحبِ کشف وکرامات گزرے ہیں اور ابھی کتنے بزرگ صاحب کشف وکرامات پیدا ہوں گے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

ابھی حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کشف بزرگ گزرے ہیں، حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے نامور خلفاء میں تھے، راقم الحروف کو ان کی مجلسوں میں استفادہ کا موقع میسر آیا ہے، اور اس کا تجربہ بھی ہوا ہے، کہ حضرت شاہ صاحب کو کشف ہوتا تھا، جب حضرت شاہ صاحب الہ آباد میں قیام پذیر تھے، میں جمعیۃ علماء ہند اترپردیش کے دینی تعلیمی بورڈ کے کاموں سے الہ آباد میں تھا، روزانہ نماز فجر کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ کی مجلس خاص ہوتی تھی، میں اس مجلس میں شریک ہوتا تھا اور حضرت شاہ صاحب اختتام مجلس کے بعد مجھے ملاقات ومصافحہ کا شرف بخشتے تھے، سن غالباً انیس سوتریسٹھ تھا، میں حسب معمول فجر کے بعد مجلس میں شریک ہوا، شاہ صاحب کا بیان جاری تھا، اس میں کبھی تلاوت قرآن کا مضمون بیان ہوا اور کبھی طریقۂ زندگی کا یعنی مضمون ایک اور مربوط نہیں تھا، میرے دل میں بار بار یہ بات آتی رہی کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا کلام مربوط نہیں ہے، کبھی کوئی مضمون ہوتا ہے اور کبھی کوئی، دل میں اس خیال کا آنا تھا کہ شاہ صاحب گویا ہوئے کہ ”یہاں ایسے اہل علم بھی بیٹھے ہیں جو مربوط بیان سننا چاہتے ہیں، بات نہیں سنتے کہ کام کی باتیں ہورہی ہیں یا فضول بیان ہورہا ہے“۔

اس وقت میری کیا کیفیت ہوئی کیا عرض کروں بس پانی پانی ہوگیا، مجلس کے بعد جو ملاقات کی تو فرمایا کہ کچھ سمجھ میں آیا؟ عرض کیا الحمدللہ بات سمجھ میں آگئی اور ہر بات دل میں اترتی جاتی ہے۔

میں نے حضرت شاہ صاحب کی مجلس میں بارہا یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا کہ

پھول تربت پر مری ڈالو گے کیا ☆ خاک بھی تم سے نہ ڈالی جائے گی

یہ شعر بھی مجلسوں میں بار بار پڑھتے ہوئے سنا کہ

ہوئے ہم تو مر کے رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

دنیا نے دیکھا کہ حضرت شاہ صاحب کے جنازہ کو نہ کندھا دینا پڑا اور نہ کہیں قبر بنی، نماز جنازہ کے بعد سمندر میں ڈال دیئے گئے حالاں کہ سفارتی گفت وشنید عرب اور ہند میں مکمل ہو چکی تھی اور جنازہ مملکت سعودیہ نے اپنے یہاں لانے کا حکم جاری کر دیا تھا لیکن مشیت ایزدی یہی تھی اور حضرت شاہ صاحب کے کشف کو منظر عام پر آنا تھا۔

اسی سفر حج میں حضرت مولانا صوفی نصرت علی صاحبؒ نے شریک ہونے کی تمنا ظاہر کی اور حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں ایک مکتوب ارسال فرمایا کہ "مجھ ناچیز کو بھی اپنے ساتھ لے چلئے" حضرت شاہ صاحبؒ نے اس درخواست کے جواب میں تحریر فرمایا کہ "آپ کو کیا معلوم کہ میں کس سفر میں جا رہا ہوں، پھر کیسے ساتھ لے چلوں"۔

صوفی جی مرحوم نے یہ مکتوب مجھے دکھایا اور یہ فرمایا کہ وفات سے پہلے میں حضرت کی تحریر کو کما حقہ نہیں سمجھ سکا بس یہ مفہوم ذہن میں آیا کہ حضرت شاہ صاحب نے درخواست منظور نہیں فرمائی اور وفات کے بعد سمجھ میں آیا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے کیا لکھا تھا؟ ان شواہد کے باوجود بہت سے لوگ کشف وکرامت کا نام سن کر بھڑک جاتے ہیں، ان کے دل ودماغ کشف کو قبول نہیں کرتے حالاں کہ کرامت تو برحق ہے، اور اہل سنت والجماعت کے عقائد میں شامل ہے، حضرات صحابہؓ سے بھی کرامتوں کا صدور ہوا ہے حضرت عمرؓ کی یہ کرامت وکشف تو عام لوگ بھی جانتے ہیں کہ آپ نے خطبہ کے دوران حضرت ساریہؓ کو ہدایت فرمائی تھی کہ دیکھو پہاڑ کا خیال کرنا، حضرت ساریہؓ نے واپسی کے بعد حضرت عمرؓ کی ہدایت کی تصدیق فرمائی اور آواز سننے کی گواہی دی۔

کس کی مجال ہے کہ جو کرامتیں حضرات صحابہؓ کی حدیث اور سوانح کی کتابوں میں اسناد کے ساتھ مذکور ہیں ان کا انکار کر دے لیکن جب عقائد میں اضمحلال آتا ہے اور اعمال بگڑتے ہیں تو کرامتوں ہی کا انکار نہیں معجزات کا بھی مدعیان علم انکار کر دیتے ہیں، اس کو محرومی نہ کہئے تو کیا کہئے، انحراف وگمراہی کے دروازے بہت ہیں جو لوگ اسلاف کے نقوش وقدم سے بدکتے ہیں وہ ضلالت وگمراہی کی دلدل میں جا پھنستے ہیں، اللہ تعالیٰ زیغ وضلال سے محفوظ فرمائیں۔ آمین۔

حالاتِ زندگی کے مطالعہ کے بعد حضرت حاجی محمد عابد حسین صاحبؒ کی بلندئ مقام، عظمت ورفعت، اتباعِ سنت، دنیا سے بیزاری، بزرگانِ دین کی قدرومنزلت اور کشف وکرامات کا کسی قدر اندازہ ہوا ہوگا، اب ضرورت ہے کہ ان کے لازوال کارناموں کو بھی منصۂ شہود پر لایا جائے، مرورِ ایام کے ساتھ ان کارناموں پر دبیز پردے نظر آتے ہیں، ہم تاریخ کی روشنی میں ان دبیز پردوں کو ہٹانے کی کوشش کریں گے، ہوسکتا ہے کہ تاریخ کی صداقتیں معدودے چند لوگوں کو گراں گزریں لیکن تاریخ تو بہر حال تاریخ ہے وہ اپنی صداقت ہزار کاوشوں کے باوجود ظاہر کردیتی ہے، چوں کہ ان کارناموں کو الجھادیا گیا ہے اس لیے ہم ان کارناموں کو علیحدہ باب میں پیش کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔

❁ ❁ ❁

دو عظیم الشان
لازوال کارنامے

دارالعلوم دیوبند
اور
جامع مسجد دیوبند

قیام دارالعلوم کا زمانہ

دارالعلوم دیوبند عالم اسلام میں محتاج تعارف نہیں ہے، یہ اپنے ڈیڑھ سو سالہ شاندار علمی وتہذیبی کارناموں کی وجہ سے دنیا کے گوشے گوشہ میں مشہور ومعروف ہے، دارالعلوم کے ہزاروں ہزار علماء دنیا کے ہر خطہ کو اپنے علوم وفیوض سے منور کر رہے ہیں، ان کی علمی خدمات کو بنظر استحسان دیکھا جاتا ہے، اس کے علاوہ اسلامی تہذیب وتمدن کے تحفظ میں اس کا اہم کردار ہے اور سچ پوچھئے تو اسلامی تہذیب کے نمونے دارالعلوم ہی میں نظر آتے ہیں، چناں چہ بیرون ہند کے جو علماء اور سیاح دارالعلوم میں آتے ہیں وہ اس کی تہذیب سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے، علم وعمل کا گہوارہ یہی خطۂ ارضی ہے جو اپنے علمی وعملی فیضان سے دنیا کو نفع پہنچا رہا ہے۔ دارالعلوم صرف ایک دانش گاہ نہیں بلکہ ایک اسلامی تحریک ہے جو ڈیڑھ سو سال سے عالم اسلام پر چھائی ہوئی ہے۔

لیکن جس زمانہ میں شیخ وقت حضرت حاجی محمد عابد حسین صاحب نور اللہ مرقدہ نے دارالعلوم کا آغاز کیا تھا وہ مسلمانوں کے لیے بڑا پرآشوب دور تھا، ۱۸۵۷ء میں برصغیر ہند وپاک پر انگریزی سطوت کا پرچم لہرا رہا تھا، مسلمانوں کی حکومت زیروزبر ہو چکی اور یہ ظلم کی چکی میں پسے جا رہے تھے، اسلام کا گلی کوچوں میں مذاق اڑایا جا رہا تھا، مسلمان ہر جگہ سراسیمہ اور دم بخود تھا، مایوسی ہر سمت چھائی ہوئی تھی مسلمان علماء چن چن کر تختۂ دار پر لٹکائے جا رہے تھے، مدارس عربیہ مسمار ومنہدم کئے جا رہے تھے، صرف ایک شہر دہلی میں ایک ہزار مدرسہ تھے جن کے نام ونشان مٹا دیئے گئے، علماء کو تہ تیغ کیا گیا اور یہ کوشش جاری رہی کہ آئندہ نسلوں تک اسلام نہ پہنچ سکے، پورے برصغیر میں یہی چیرہ دستیاں جاری تھیں، اور مسلمان ایسا بدحواس تھا کہ اپنے مستقبل کے بارے میں کچھ سوچنے کی ہمت نہیں کر رہا تھا۔

انگریزوں نے اس بربریت کے ساتھ مسلمانوں کی عزت وآبرو پر بھی ڈاکے ڈالے، عصمتوں کو تار تار کیا گیا اور عفت و پارسائی کو پامال کرنے کی ہر سعیٔ ناروا کی گئی، یہ داستان بڑی لرزہ خیز ہے، اس وقت یہ محسوس ہو رہا تھا کہ برصغیر سے اسلام کا وجود مٹ جائے اور آئندہ نسلیں اسلام سے ناآشنا رہیں گی۔ مسلمان مایوسی اور افسردگی کا شکار تھے۔

انگریزوں نے مسلمانوں کو خاص طور پر نشانہ بنایا چوں کہ حکومت مسلمانوں سے چھینی گئی تھی، اس لیے انگریزی حکومت کو خطرہ تھا کہ یہ کبھی بھی حکومت واپس لینے کی کوشش کر سکتے ہیں، اور آن کی آن اس کی غیرت وحمیت جاگ سکتی ہے، اس نقطۂ نظر کے نتیجہ میں کم وبیش ستر ہزار علماء شہید کیے گئے، باقی ماندہ مسلمانوں کو ہیبت زدہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ لیکن ٹھیک اسی زمانہ میں شیخ دوراں حضرت حاجی محمد عابد حسین صاحبؒ کو الہام ربانی ہوا کہ وہ دیوبند میں ایک آزاد دینی مدرسہ کا آغاز کردیں، اس الہام کی بنیاد پر حضرت حاجی صاحب میدان عمل میں اتر آئے۔

اہل علم کا اضطراب

چوں کہ اہل علم منتظر ومضطرب تھے اس لیے حضرت حاجی صاحب کی تحریک پر ہر طرف سے صدائے لبیک بلند ہوئی مدرسہ کا آغاز ہوگیا، تحریک وآغاز کے سلسلہ میں دو قدیم تحریریں آج بھی موجود ہیں، پہلی تحریر شیخ الہندؒ کے والد محترم مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ کی ہے، رسالہ کا نام "الھدیۃ السنیۃ فی ذکر المدرسۃ الاسلامیۃ الدیوبندیۃ" ہے دوسری تحریر "تذکرۃ العابدین" کے نام سے مولانا نذیر احمد دیوبندیؒ کی، یہ حضرت حاجی صاحب کے خاص متوسلین میں سے تھے، اور سفر وحضر میں ساتھ رہتے تھے ان کا بیان ہے کہ حضرت حاجی صاحب چلہ میں تھے، اسی میں ایک عربی مدرسہ قائم کرنے کا الہام ہوا، آپ نے خواب میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "یہاں ایک مدرسہ دین کی بقاء اور ترویج کے لیے قائم کیا جائے اللہ تعالی مدد فرمائیں گے"۔

حاجی صاحب کا خواب

حدیث کی روشنی میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب خواب تو سچا ہوتا ہی ہے، شک وشبہ کی گنجائش نہیں اور کوئی بھی مسلمان جھوٹا خواب بیان کر کے اپنی عاقبت خراب نہیں کرے گا، اس لیے دارالعلوم دیوبند الہامی مدرسہ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کے مطابق قائم کیا گیا، اس خواب کے راوی بھی ثقہ اور معتبر حضرات ہیں، مولانا ذوالفقار علی صاحب اور مولانا نذیر احمد صاحب کو کون غیر معتبر کہہ سکتا ہے؟ اس لیے بلاشبہ قیام دارالعلوم کے لیے حضرت حاجی سید محمد عابد صاحب کو الہام ہوا اور دارالعلوم دیوبند الہامی مدرسہ ہے اور اس مدرسہ کے لازوال کارناموں سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق دین کے تحفظ اور اس کی ترویج میں مصروف کار ہے۔

اس مبارک خواب کے بعد حضرت حاجی صاحب فکر مند ہوئے اور غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس اہم ترین کام کے لیے اہل علم سے مشورہ ضروری ہے چناں چہ صبح کو مولانا فضل الرحمٰن صاحب، مولانا ذوالفقار علی صاحب، حاجی فضل حق صاحب وغیرہم کو مدعو کیا، ان کے سامنے خواب بیان کیا اور یہ فرمایا کہ:

> "جب بڑے عالم نہ رہیں گے تو مسئلہ بتانے والا بھی نہ ملے گا، اس لیے ایک عربی مدرسہ کھولا جائے، علم دین اٹھا جاتا ہے، کوئی تدبیر کرو کہ علم دین قائم رہے، جب سے دلی کا مدرسہ گم ہوا کوئی علم دین نہیں پڑھتا" (تذکرۃ العابدین، ص:۶۸-۶۹)

دارالعلوم کی تجویز اوّل

ان حضرات علماء نے مدرسہ کے قیام کی تجویز کو منظور کیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب کا ذہن اس کام کے لیے تیار تھا بس محرک اور مجوز کا انتظار تھا وہ محرک سامنے آیا تو مسرت کی لہر دوڑ گئی، اس اتفاق کو تائید خداوندی باور کرتے ہوئے حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ "چندہ

کر کے مدرسہ قائم کرو"۔

یہ کہہ کر سید عالی مقام نے اپنا سفید رومال سب کے سامنے بچھا دیا اور اپنی جیب سے تین روپے نکال کر اس پر رکھ دیئے، یہ بھی فرمایا کہ "یہ چندہ انشاء اللہ ہر سال دیتا رہوں گا" پھر اس کو باضابطہ لکھ بھی دیا، کتنا مسعود و مبارک تھا وہ وقت کہ ان حضرات نے بھی اپنا چندہ لکھ دیا اور ایک فہرست تیار ہوگئی۔

دار العلوم کا چندہ

حاجی صاحب کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ جناب والا کہیں جاتے نہیں تھے، چھتہ کی مسجد اور گھر، بس یہی آمد و رفت کا راستہ تھا لیکن آپ خلاف معمول اس عظیم الشان کام کے لیے اگلی صبح کو اشراق کی نماز پڑھ کر مسجد چھتہ سے نکلے اور گلے میں اسی سفید رومال کی جھولی تھی، اس ہیئت میں حاجی صاحب پہلی بار دیکھے گئے، آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں اس کا خیال بھی دل میں نہیں گزر سکتا تھا کہ دنیا کیا کہے گی اور عزت پر حرف آئے گا، ان خیالات سے یکسو ہو کر نکلے تھے اور سب سے پہلے مولانا مہتاب علی صاحب کے گھر رونق افروز ہوئے، انھوں نے چھ روپے عنایت، کیے اس کے بعد مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ کے یہاں تشریف لے گئے، مولانا نے خیر مقدم کرتے ہوئے بارہ روپے پیش کئے یہاں سے منشی فضل حق صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے انھوں نے چھ روپے عنایت کئے، پھر مولانا ذوالفقار علی صاحب کے پاس تشریف لے گئے، انھوں نے بارہ روپے کی پیشکش کی، اس کو حسن اتفاق کہئے کہ یہیں ڈپٹی ذوالفقار علی صاحب سے ملاقات ہوگئی، بارہ روپے انھوں نے پیش کر دیئے یہاں سے حضرت حاجی صاحبؒ اٹھے تو سیدھے محلہ ابوالبرکات کی مسجد میں پہنچے اور اس میں عام چندہ کی اپیل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے زبان میں وہ تاثیر رکھی تھی کہ جس سے جو ہوسکا اس نے حاضر خدمت کر دیا چنانچہ شام تک تقریباً تین سو روپے جمع ہوگئے یہ تین سو روپے آج کے نہیں ڈیڑھ سو سال پہلے کے ہیں، جن

کی حیثیت اس وقت تین لاکھ روپے سے کم نہیں ہوتی، اس خطیر رقم نے حوصلے بلند کر دیئے اور عزائم میں پختگی آگئی۔ حضرت حاجی صاحب نے عزم مصمم کرلیا کہ اب بلا تاخیر تعلیم وتدریس کا آغاز کر دینا چاہیے، چوں کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا دیوبند سے خاص تعلق تھا، محلّہ دیوان کے شیخ نہال احمد مرحوم کے یہاں سسرال تھی، علم وفضل کا ستارہ بھی بلندی پر تھا، اس لیے حاجی صاحب کی نظر انتخاب حضرت نانوتویؒ پر پڑی۔

حضرت نانوتویؒ کے نام خط

چناں چہ حاجی صاحبؒ نے چندہ کر کے دوسرے دن ۳/ذی قعدہ ۱۲۸۲ھ کو حضرت نانوتوی کے نام مفصل خط لکھا حضرت مولانا ان دنوں منشی ممتاز علی صاحب کے چھاپہ خانہ میرٹھ میں ملازم تھے، کتابوں کی تصحیح کا کام سپرد تھا، خالی اوقات میں حدیث کی کتابیں پڑھاتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ نے اسی زمانہ میں مسلم شریف ایک جماعت کے ساتھ پڑھی۔ پھر بریلی اور لکھنؤ کی ملازمت کے بعد اسی مطبع میں خود بھی ملازم ہوگئے، مولانا محمد یعقوب صاحب لکھتے ہیں کہ:

> ''وہی زمانہ تھا کہ مدرسہ دیوبند کی بنیاد ڈالی گئی، مولوی فضل الرحمن اور مولوی ذوالفقار علی اور حاجی محمد عابد حسین صاحب نے یہ تجویز کی کہ ایک مدرسہ دیوبند میں قائم کریں، مدرس کے لیے تنخواہ پندرہ روپے تجویز ہوئی'' (سوانح عمری مولانا محمد قاسم نانوتوی، ص:۱۶)

مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے حاجی صاحبؒ کے مکتوب کا ذکر تو نہیں کیا ہے لیکن ان کی عبارت سے یہ ظاہر ہے کہ حضرت نانوتویؒ قیام دارالعلوم کی مجلس میں شریک نہیں تھے، اور اس زمانہ میں منشی ممتاز علی کے مطبع میں ملازم تھے، منشی جی کے مطبع میں کام کرنے کے بعد مولوی محمد ہاشم کے مطبع میرٹھ میں تصحیح والی ملازمت اختیار فرمائی۔

البتہ مولانا نذیر احمد دیوبندی نے اس خط کی قدرے تفصیل بیان کی ہے، ان کے

الفاظ یہ ہیں:

"اگلے روز حاجی صاحبؒ نے مولوی محمد قاسم صاحب کو میرٹھ خط لکھا کہ آپ پڑھانے کے واسطے دیوبند آیئے، فقیر نے یہ صورت اختیار کی ہے" (تذکرۃ العابدین، ص:۶۹)

اس پر دونوں مصنفین کا اتفاق ہے کہ حضرت نانوتویؒ قیام دارالعلوم کی تجویز کے وقت موجود نہیں تھے اور نہ ان کے علم میں مدرسہ کے قیام کی کوئی بات تھی، اس کے علاوہ حاجی صاحب کا یہ فقرہ بالکل واضح ہے کہ "فقیر نے یہ صورت اختیار کی ہے" سیدھا سا مفہوم ہے کہ یہ کارعظیم میں نے الہام کے مطابق چند اہل علم کی رائے سے کیا ہے اور میں ہی اس کا ذمہ دار ہوں، اسی لیے میں نے آپ کو خط لکھا ہے حضرت نانوتویؒ حاجی صاحب کے اس مکتوب گرامی سے بہت خوش ہوئے اور جواب میں یہ خط لکھا کہ:

"میں بہت خوش ہوا، خدا بہتر کرے، مولوی ملا محمود صاحب کو پندرہ روپے ماہوار تنخواہ مقرر کر کے بھیجتا ہوں وہ پڑھادیں گے اور میں مدرسہ مذکور میں ساعی رہوں گا" (تذکرۃ العابدین، ص:۶۹)

حضرت نانوتویؒ کی یہ تحریر بھی واضح ہے کہ مولانا اس وقت میرٹھ میں تھے اور انھیں تاسیس دارالعلوم کا حال معلوم نہیں تھا، اس مکتوب سے ان کو علم ہوا تو بہت خوش ہوئے اور اپنے بجائے ملا محمودؒ کو تدریس کے لیے نامزد کر کے بھیج دیا۔

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ نے اپنی مشہور کتاب "علماء ہند کا شاندار ماضی حصہ پنجم، ص:۶۵، میں لکھا ہے کہ:

"تاریخ مذکور ۱۵ر محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۷ چند باخدا بزرگوں کا اجتماع ہوا، چندہ جمع کیا گیا اور مسجد چھتہ کے فرش پر درخت انار کی ٹہنیوں کے سائے میں ایک مدرسہ کا افتتاح ہوا، چندہ کا رومال پھیلانے والا اور سب سے پہلے چندہ دینے والا عابد تھا"

لیکن منشی فضل حق مرحوم جو دارالعلوم کے مہتمم سابق تھے، ان کا ایک مخطوطہ دارالعلوم کے

خزانے میں محفوظ ہے، اس کے مطابق دارالعلوم کے لیے پہلی مجلس یکم ذی قعدہ ۱۲۸۲ء میں منعقد ہوئی تھی اور حاجی صاحب کی تجویز پر اہل مجلس نے اتفاق کیا، اسی پہلی مجلس میں حضرت حاجی صاحب نے اپنا چندہ پیش کیا تھا، دوسرے دن جمعہ کو چندہ کے لیے قصبہ میں تشریف لے گئے مخطوطہ کے الفاظ یہ ہیں:

"ایک دن بوقت اشراق سفید رومال کی جھولی بنا اور اس میں تین روپے اپنے پاس سے ڈالے چھتہ کی مسجد سے تن تنہا مولوی مہتاب علی صاحب مرحوم کے پاس تشریف لائے، مولوی صاحب نے کمال کشادہ پیشانی سے چھ روپے عنایت کئے اور دعا کی، اور بارہ روپے مولوی فضل الرحمٰن صاحب نے اور چھ روپے اس مسکین نے دیے، وہاں سے اٹھ کر مولوی ذوالفقار علی صاحب سلمہ کے پاس آئے، مولوی صاحب ماشاءاللہ علم دوست ہیں، فوراً بارہ روپے دیئے اور حسن اتفاق سے اس وقت سید ذوالفقار علی ثانی دیوبندی وہاں موجود تھے، ان کی طرف سے بھی بارہ روپے عنایت کئے، وہاں سے اٹھ کر یہ درویش بادشاہ صفت محلہ ابوالبرکات میں پہنچے، دوسو روپے جمع ہو گئے اور شام تک تین سو روپے، پھر رفتہ رفتہ خوب چرچا ہوا اور جو پھل پھول اس کو لگے وہ ظاہر ہیں یہ قصہ بروز جمعہ دوم ماہ ذی قعدہ ۱۲۸۲ھ میں ہوا"۔ (بحوالہ سوانح قاسمی جلد دوم ص: ۲۵۸-۲۵۹)

منشی فضل حق مرحوم کے اسی مخطوطہ میں یہ عبارت ہے کہ:

"مدرسہ ۱۵ رمحرم الحرام ۱۲۸۳ھ میں جاری ہوا" (حوالہ مذکور)

یعنی کل ڈھائی مہینے میں اتنا چندہ جمع ہو گیا کہ ۱۵ رمحرم کو تدریس کا آغاز ہو گیا، مدرسہ کا نظم ونسق اور اس کا اہتمام حضرت حاجی صاحب کے ہاتھوں میں تھا، البتہ اسلامی دستور کے مطابق حضرت حاجی صاحب نے مجلس شوریٰ کی تشکیل کر دی تھی، اسی کی تائید درج ذیل اشتہار سے بھی ہوتی ہے کہ مدرسہ کے مجوز اول اور محرک حضرت حاجی صاحب تھے، یہ اشتہار ارکان شوریٰ ۲۳ ر جمادی الاول ۱۳۰۶ھ کو مطبع مجتبائی دہلی میں طبع کرایا اور پھر اس کو مشتہر کیا، مکمل عبارت یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"نحمدالله الذی باسمه تتم الصالحات وتنزل البرکات علی سید الکائنات علیه وعلیٰ آله واصحابه افضل الصلوات واکمل التحیات، امابعد:

گزارش یہ ہے کہ جناب مولوی محمد رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ اسلامی دیوبند بعزم حج راہی مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفاً وتعظیماً ہوگئے ہیں، چوں کہ اہتمام مدرسہ ایک کار عظیم الشان ہے اور بسبب انتظام ایک مجمع کثیر کے جو مختلف جزئیات پر مشتمل ہے، مثلاً نظام اسباق ونگرانی ترقی خواندگی وخبر گیری خوراک وپوشاک طلبہ مسافر ودرستی حساب آمد وصرف وغیرہ چند صد طلبا ومدرسین جن کی تفصیل متعذر ہے، لہٰذا جملہ خیر خواہان مدرسہ کو نسبت روانگی مولوی صاحب موصوف نہایت تشویش پیش آئی، ناچار بجز اس تدبیر کے کوئی چارہ نہ بن پڑا کہ یہ مجتمع ہوکر بخدمت بابرکت حضرت سید محمد عابد صاحب دامت برکاتہ کے (جو بانی ومجوز اوّل مدرسہ ہٰذا وسرپرست وسرآمد ارباب مشورہ ہیں اور اوّل ایک عرصہ تک مہتمم مدرسہ رہے ہیں اور جب جناب موصوف الصدر حج کو تشریف لے گئے تھے اس وقت مولوی رفیع الدین صاحب بجائے ان کے کار اہتمام پر منصوب ہوئے تھے اور تمام زمانہ اہتمام مولوی صاحب جملہ امور جانچ وپرتال، حساب وکتاب ماہواری مدرسہ بلکہ کارہائے روز مرہ حسب ہدایت وشرکت جناب حضرت حاجی صاحب انجام دیتے تھے۔

الغرض ابتدائے مدرسہ سے اس وقت تک جس قدر امور مدرسہ سے واقفیت حضرت حاجی صاحب کو ہے اور کسی کو نہیں، حتیٰ کہ خود مولوی صاحب کو بھی نہ تھی) حاضر ہوکر ملتجی ہوئے کہ اب جناب والا پھر اس کار اہتمام کو انجام دیں کہ آخر یہ مدرسہ آپ کا ہی ہے ۔

اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

سو الحمدللہ سید صاحب ممدوح نے بنظر حمایت دین متین وخوشنودی رب

العالمین وخرسندی روح پرفتوح حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین، اس عرض کو قبول فرمایا، جزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء وشکر مساعیہ۔

لہٰذا بخدمت جملہ ارباب چندہ واہل ہمت جو باعطائے زروغیرہ مدرسہ کی اعانت فرماتے ہیں اور نیز ان بزرگوں کی جناب میں جو مدرسہ سے مراسلت فرماویں، عرض ہے کہ آئندہ جملہ مکاتیب بنام نامی حضرت سید صاحب موصوف فرماتے رہیں۔

دوسرا امر واجب العرض یہ ہے کہ بملاحظہ رجسٹر چندہ واضح ہوا کہ بہت سے ارباب چندہ کی طرف بقایا سال گزشتہ وسنین ماضیہ برابر چلے آتے ہیں، لہٰذا ان کی خدمات عالیات میں گزارش ہے کہ بنظر تائید دین متین وبقاء ترقی مدرسہ براہِ کرم جلد بقایا ادا فرماویں تاکہ انتظام مدرسہ میں خلل نہ پڑے، کیوں کہ اس کارِ خیر کا مدار صرف اعانت وامداد اہل خیر پر ہے، واللہ لا یضیع اجر المحسنین۔

دستخط

رشید احمد گنگوہی

محمد ضیاء الدین رامپوری، مشتاق احمد دیوبندی

ذوالفقار علی دیوبندی، محمد فضل الرحمٰن دیوبندی

محمد فضل حق دیوبندی

مہر مدرسہ اسلامی دیوبند، ۲۲ جمادی الاوّل ۱۳۰۶ھ

اس اشتہار میں بھی حضرت حاجی محمد عابد صاحب کو اس مدرسہ کا بانی اور مجوز لکھا گیا ہے، اس لیے تاریخ کو پیش نظر رکھتے ہوئے کسی اور کو بانی ومجوز کہنے کی گنجائش نظر نہیں آتی، عبارت بالکل صاف اور بے غبار ہے، دستخط بھی ان ارکان شوریٰ کے ہیں جو بجائے خود ثبوت ہیں، حضرت حاجی صاحب کا یہ اہتمام آخری تھا، پہلی مرتبہ یوم تاسیس سے ۱۲۸۴ھ-۱۸۶۷ء تک، دوسری مرتبہ ۱۲۸۶ھ-۱۸۶۹ء سے ۱۲۸۸ھ-۱۸۷۱ء تک اور تیسری مرتبہ غالباً ۱۳۰۶ھ سے ۱۳۱۰ھ-۱۸۹۲ء تک، یہ حاجی صاحب کا زمانہ اہتمام ہے۔

ارداۂ حج

حضرت حاجی صاحب نے ۱۲۸۴ھ میں حج کا ارادہ فرمایا تو جو کچھ جدی جائداد تھی وہ اپنے اعزا و اقارب میں تقسیم کردی یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ اب ہندوستان میں واپسی کا ارادہ نہیں ہے اور حقیقت بھی یہی تھی، اہل دیوبند بھی حضرت حاجی صاحب کے اس ارادہ سے ناواقف نہیں تھے، باشندگانِ دیوبند حضرت حاجی صاحب کے اس سفر کو حادثۂ فاجعہ سمجھتے تھے چناں چہ دیوبند اور اس کے اطراف میں کہرام برپا تھا لیکن حاجی صاحب کے قلب میں اللہ و رسول کی محبت کا جو دریا موجزن تھا وہ جلد از جلد حرمین شریفین میں پہنچنے کا تقاضا کر رہا تھا، دنیا سے بے زاری اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ سب کچھ تقسیم فرمادیا اور تہی دست ہو گئے، پھر بھی دل میں تہی دستی کا خطرہ بھی نہیں گزرا، یعنی اپنے عمل اور دنیا بیزاری پر مطمئن ہیں، دل مچل رہا ہے کہ پائے یار پر جان نچھاور کردیں، اس قصد اور ارادہ سے جب دیوبند سے رخصت ہونے کا وقت آیا تو خلق خدا اُمڈ پڑی، ایسا ہونا بھی ناگزیر تھا، اس لیے کہ حضرت حاجی صاحب دیوبند اور اطراف کے عظیم فرد تھے اور اس وقت آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ لکھتے ہیں کہ:

> ”ان دونوں جوہری خصوصیتوں کی جامع ذات اس زمانہ میں حضرت حاجی محمد عابد حسین صاحب قبلہ کے سوا جہاں تک معلومات کا تعلق ہے دیوبند میں اس وقت شاید کوئی دوسری ہستی نہ تھی، حاجی صاحب کا اثر اور گہرا اقتدار مسلمان مردوں اور عورتوں ہی کی حد تک محدود نہ تھا بلکہ قصبہ کی غیر مسلم آبادی میں بھی جیسا کہ سن چکے، اپنے خاص حالات کے لحاظ سے وہ کافی مقبول اور ہر دلعزیز تھے“۔ (سوانح قاسمی جلد دوم، ص:۲۵۵)

منشی فضل حق مرحوم جن کو حضرت حاجی صاحب کی تجویز پر مہتمم بنایا گیا تھا، ان کا ایک چھوٹا جملہ اپنی معنویت کے لحاظ سے ذخیروں پر بھاری ہے کہ:

> ”آپ کی صورت کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے“ (حوالہ بالا، ص:۲۵۵)

انہی منشی فضل حق صاحب مرحوم کے یہ الفاظ بھی حاجی صاحب کی جامع شخصیت کی

عکاسی کرتے ہیں کہ:

"پابندیٔ شرع، استقلال طبع، اولوالعزمی، خوش تدبیری آپ کی مشہور ہے" (حوالہ بالا)

حضرت حاجی صاحبؒ کے اس سفر حج کو جس سے واپسی غیر متوقع تھی، دارالعلوم دیوبند کے ارکان شوریٰ نے بھی شدت کے ساتھ محسوس کیا اور اس کو حادثۂ عظیم قرار دیا، روداد کے الفاظ یہ ہیں۔

"ایسا امرِ عظیم اور حادثۂ فخیم پیش آیا کہ جس سے تمام اہل دیوبند اور جملہ مدرسین وطلبہ کو گمان غالب تھا کہ اب قائم رہنا اس مدرسہ کا مشکل ہے"۔

یہ امر عظیم اور حادثۂ فخیم کیا تھا جس کے پیش آنے پر مدرسہ کی بنیادیں متزلزل نظر آنے لگیں اور اہل دیوبند اور اربابِ دارالعلوم پر مایوسی کے بادل چھاگئے، اس کی وضاحت اسی روداد میں ان الفاظ میں پیش کی گئی ہے کہ:

"حاجی عابد حسین صاحب جو مہتمم مدرسہ بلکہ اصل اصول (بانی مبانی) اس کام کے تھے، اور باشندگانِ دیوبند واطراف وجوانب کے دلوں میں ان کی عظمت وتوقیر بدرجۂ کمال تھی، ان کے لحاظ وپاس سے بہت سے طلبہ بیرونجات کے واسطے کھانا مقرر ہوا، اور چندہ بھی بہت آب وتاب سے تحصیل ہوا، یکا یک عزم بیت اللہ کا کیا اور قطع تعلق سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ پھر ہندوستان تشریف نہ لائیں گے"۔

روداد کے یہ الفاظ بھی بہت اہم ہیں کہ حضرت حاجی کے اس فیصلہ سے طرح طرح کے اندیشے پیدا ہونے لگے، سب سے بڑے اندیشے کا اظہار ان الفاظ میں کیا گیا ہے کہ:

"بنیاد مدرسہ از بیخ کندہ ہوجاتی تو عجب نہ تھا" (بحوالہ سوانح، جلد دوم، ص:۲۶۸)

روداد کے الفاظ بالکل صاف اور واضح ہیں کہ حضرت صاحب کی ہجرت سوہان روح بنی ہوئی تھی، اب تک دارالعلوم حاجی صاحب کے ہی دم قدم سے چل رہا تھا، اور آپ ہی کے اثر ورسوخ، للّٰہیت وخداترسی سے روز بہ روز جادۂ ارتقاء پر گامزن تھا، حاجی صاحب کو بھی اس

کا شدید احساس تھا کہ مبادا میری ہجرت کے بعد دارالعلوم کمزور نہ ہو جائے، اسی احساس نے حضرت حاجی صاحب کو مجبور کر دیا کہ وہ دارالعلوم کو حافظ و محفوظ ہاتھوں میں دے جائیں چناں چہ اپنی صواب دید کے مطابق حضرت مولانا رفیع الدین صاحب دیو بندی کو مہتمم نامزد فرمایا اور باگ ڈوران کے ہاتھ میں دے دی، یہ دارالعلوم کے دوسرے مہتمم ہوئے۔

اس انتظام وانصرام کے بعد حاجی صاحب نے اپنا سفر شروع کیا، لیکن جس وقت وہ دیو بند سے روانہ ہوتے ہیں، اس وقت کی کیفیت کو مولانا نذیر احمد صاحب نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ:

> ''آپ برائے حج بیت اللہ شریف روانہ ہوئے اس وقت شہر والوں کو اس قدر رنج تھا کہ تحریر میں نہیں ہوسکتا شہر کے آدمی بہت دور دور تک ہمراہ رکاب گئے اور بعض کئی کئی منزل تک گئے'' (تذکرۃ العابدین، ص:۷۱)

میں پہلے بتا چکا ہوں کہ جدی جائداد تقسیم کر دینے کے بعد آپ تہی دست ہو چکے تھے، چناں چہ یہ سفر آپ نے خالی ہاتھ توکلا علی اللہ شروع فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے سفر آسان کر دیا، پورے سفر میں کسی طرح کی تنگی کا احساس نہیں ہوا اور آپ کے ہمراہ کئی افراد تھے، پہلے آپ نے مکہ مکرمہ پہنچ کر حج کیا، اس کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور تقریباً ایک سال مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے۔

حاجی امداد اللہ سے بیعت

یہ تو بتایا جا چکا ہے کہ دارالعلوم الہامی مدرسہ ہے اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مدرسہ کے قیام کا حکم حضرت حاجی محمد عابد حسینؒ کو دیا تھا، اسی کے مطابق حاجی صاحب نے چند اہل الرائے کے سامنے خواب بیان کیا اور مدرسہ قائم کرنے کی تجویز پیش فرمائی، اہل الرائے تجویز سے نہ صرف اتفاق کیا بلکہ مالی تعاون پیش کرنے میں دریغ نہیں کیا، چناں چہ ۱۵ر محرم الحرام ۱۲۸۳ھ کو تعلیمی سال کا آغاز ہوا، اس کے پہلے مدرس ملا محمود مقرر ہوئے، مولانا عبدالکریم

پنجابی اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ وغیرہ نے چھتہ مسجد میں انار کے درخت کے سامنے میں سب سے پہلے زانوئے ادب تہ کیا، شروع سال میں طلبہ کی تعداد اکیس تھی اور سال کے آخر تک طلبہ کی تعداد اٹھہتر ہوگئی تھی، اس میں اٹھاون طلبہ باہر کے تھے۔

طلبہ کی تعداد میں اضافہ اور مالی تعاون میں افزودگی کے پیش نظر حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کو صدر مدرس کی حیثیت سے بلایا گیا اور فارسی درجات مولوی فاضل، مولوی فتح محمد صاحب، حافظ احمد حسن صاحب کو سپرد کردیئے گئے، اسی سال حافظ نامدار صاحب کو درجۂ حفظ کے لیے مدرس مقرر کیا گیا۔ چوں کہ حضرت حاجی صاحب کا مزاج شورائی تھا اسی وجہ سے پہلی مجلس میں اہل الرائے سے مشورہ کیا اور پھر باضابطہ مجلس شوریٰ کی تشکیل کی، اس میں تو آپ خود تھے ہی اور مجلس کے گل سرسبد تھے دیگر ارکان یہ تھے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا ذوالفقار علی دیوبندی، مولانا فضل الرحمٰن دیوبندی، منشی فضل حق صاحب دیوبندی۔ ان ارکان شوریٰ کے مشوروں سے دارالعلوم ارتقائی منزلیں طے کرتا رہا تاآنکہ حضرت حاجی صاحب حج کے لیے تشریف لے گئے اور مولانا رفیع الدین صاحب کو مہتمم نامزد فرمایا۔

اشارۂ غیبی

مدینہ منورہ میں قیام کو سال بیت رہا تھا کہ حضرت حاجی صاحب کو نبی آخرالزماں ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے بیعت ہونے کا اشارہ فرمایا، اس حکم کی تعمیل میں حضرت حاجی صاحب مکہ مکرمہ تشریف لائے اور حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی سے بیعت ہوئے، اس کی صراحت حاجی امداداللہ صاحب نے ایک مکتوب میں ان الفاظ میں کی ہے:

”حاجی عابد حسین صاحب باوجود کمالات خود باشارۂ ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم بردست فقیر بیعت فقیر کردہ داخل ایں سلسلہ گردید ند امید کہ آں عزیزاں دلوشاں باہم

متفق باشند و در ہر امور اتفاق دارند و در فیض رسائی خلق اللہ دریغ ندارند و سرگرم باشند۔
فقط (مکتوب سی و ششم مرقومات امدادیہ، ص:۲۸۰)

حاجی سید عابد حسین صاحب اپنے کمالات کے باوجود ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر فقیر کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ امید ہے کہ آں عزیزاں اور وہ باہم متفق ہوں گے اور تمام امور میں اتفاق رکھیں گے اور خلق خدا کی فیض رسانی میں دریغ نہ کریں گے، اور سرگرم رہیں گے''۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کا یہ مکتوب گرامی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے نام ہے، حاجی صاحب نے جو ہدایت فرمائی ہے آپس میں اتفاق رکھتے ہوئے عام فیض رسانی کی تاکید کی گئی ہے، اتفاق کی بات غالباً اس لیے کہی گئی ہے کہ دونوں کا مذاق تصوف علیحدہ تھا چند مسائل میں حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کو حاجی امداد اللہ صاحب سے اختلاف تھا، ہفت مسئلہ میں اس کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے، تاہم پیر و مرشد کے سامنے خلق خدا کی فیض رسانی تھی، مبادا معمولی اختلافات فیض رسانی میں نقصان کا باعث نہ بن جائیں۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے حضرت حاجی سید محمد عابد حسین صاحب کو داخل سلسلہ کرنے کے بعد ہندوستان واپسی کا حکم دے دیا حاجی صاحب پیر و مرشد کے حکم کی تعمیل میں دیوبند واپس آ گئے، یہاں تشریف آوری کے بعد الہام ربانی ہوا کہ تم کو یہیں رہنا ہے اور مدرسہ و مسجد کے کاموں میں مصروف رہنا ہے اس حکم کے بعد حضرت حاجی صاحب نے اپنے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب کو اس کی اطلاع بہم پہنچائی، اس کے جواب میں حضرت مہاجر مکیؒ نے تحریر فرمایا کہ: (۱)

---

(۱) حاجی صاحبؒ کے اہل خاندان کا کہنا ہے کہ یہ خط قیام مدرسہ کے بعد ۱۲۸۳ھ کا ہے، اس وقت حاجی محمد عابد صاحبؒ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے ابھی بیعت نہیں ہوئے تھے، لیکن قریبی تعلق تھا اور ۱۲۷۸ھ میں دوران حج مکہ مکرمہ میں ملاقات بھی کر چکے تھے، انداز تحریر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس ملاقات میں بھی حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے حاجی محمد عابد صاحب کو مدرسہ اور علم دین کی توسیع و اشاعت کی سعی کرنے کے لیے فرمایا »»

''میں نے تو آپ کی خدمت میں پہلے ہی عرض کیا تھا کہ تمہارے حق میں ہند میں رہنا اور مدرسہ علم دینی کی سعی اور کوشش کرنی مکہ مدینہ کے رہنے سے افضل ہے، بکر الحمدللہ وہاں جا کر بھی آپ کو یہی حکم ہوا سواب تمہارے واسطے یہی مناسب اور بہتر ہے کہ جس میں اللہ اور رسول کی مرضی پائی جاوے وہ کام کرو اور اپنے ارادہ کو اس کی رضامندی میں فنا کرو''۔ (مکتوب سی و ہشتم مرقومات امدادیہ، ص:۲۸۱)

جب حضرت حاجی سید محمد عابد حسین صاحبؒ واپس دیوبند تشریف لائے تو حضرت مولانا رفیع الدین صاحب دیوبندیؒ دارالعلوم کا اہتمام سنبھالے ہوئے تھے اور ۱۳۰۶ھ تک اس منصب پر فائز رہے، مولانا کے زمانۂ اہتمام میں دارالعلوم کو نمایاں ترقی ہوئی نودرہ کی شاندار عمارت آپ ہی زمانۂ اہتمام میں تعمیر ہوئی، اس لیے اچانک جب ۱۳۰۶ھ میں آپ نے مکہ مکرمہ ہجرت کرنے کا قصد فرمایا تو ایک بار پھر اہتمام کا مسئلہ زیر بحث آ گیا کہ یہ عظیم الشان کام کس کے سپرد ہو، گھوم پھر کر نظر انتخاب حضرت حاجی صاحب پر پڑی، چناں چہ تیسری مرتبہ اہتمام سنبھالنے کی درخواست حضرت حاجی صاحب سے کی گئی، آں جناب نے یہ درخواست منظور فرمالی، اس کی تفصیل پہلے آ چکی ہے اور اشتہار کے الفاظ بھی نقل کئے گئے ہیں، اس اشتہار میں یہ بھی صراحت کی گئی ہے کہ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب کے زمانۂ اہتمام میں بھی

»» ہوگا، لیکن حالات زمانہ کی ناسازگاری کے سبب حاجی عابد صاحبؒ بروقت اقدام نہ کر سکے ہوں گے، البتہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدرسہ قائم کرنے کا حکم فرمایا تو اس دینی خدمت کے لیے بلا چون و چرا کمربستہ ہو گئے، اس قضیہ کے ثبوت میں اہل خاندان مرقومہ خط کا دوسرا جز پیش کرتے ہیں جس میں تحریر ہے کہ:

''سو یہ فقیر روسیاہ اگرچہ کسی لائق نہیں مگر اعتقاد طالب کا رہبر ہو جاتا ہے، سو میں حاضر ہوں جس طرح تمہاری صلاح ہو، اگر تم آؤ گے جو مجھ کو مرشدوں سے پہنچا ہے دریغ نہ کروں گا، آئندہ فائدہ اور غیر فائدہ بدست مختار حقیقی ہے''۔ (مکتوبات سی و ہشتم، مرقومات امدادیہ صفحہ ۲۸۱)

یعنی خط کے دوسرے جز میں حاجی محمد عابد صاحبؒ نے بیعت ہونے کی درخواست کی جس کو حاجی امداد اللہ صاحب نے مکہ مکرمہ آنے پر موقوف کر دیا، چنانچہ ۱۲۸۴ھ میں حاجی محمد عابد صاحبؒ دوسری بار حج کے لیے جب تشریف لے گئے تو اس موقع پر حاجی صاحب بیعت ہو گئے۔

حضرت حاجی صاحب کے مشورہ سے ہی دارالعلوم کے تمام امور انجام پذیر ہوتے تھے، یہ الفاظ دوبارہ ملاحظہ فرمالیجئے۔

''اور تمام زمانہ اہتمام مولوی صاحب جملہ امور مثل جانچ پڑتال حساب کہ آپ ماہواری مدرسہ بلکہ کارہائے روزمرہ حسب ہدایت وشرکت حاجی صاحب انجام دیتے تھے''۔ اشتہار ۲۲ / جمادی الاوّل ۱۳۰۶ھ)

مجلس شوریٰ کے جاری کردہ اشتہار کے مذکورہ الفاظ ہیں حضرت حاجی صاحب کی اہمیت اور اہتمام کے کاموں میں ان کا عمل دخل نہ صرف یہ کہ واضح کرر ہے بلکہ اس کا ثبوت بہم پہنچارہے ہیں کہ حاجی صاحب ہی اہتمام کے دروبست پر چھائے ہوئے تھے، اور دارالعلوم کے مجوز اوّل اور بانی یہی تھے۔ حضرت نانوتویؒ کو سالانہ امتحان کے لیے ضرور مدعو کیا گیا، حضرت بطیب خاطر تشریف لائے اور طلبہ کا امتحان لیا۔

حضرت نانوتویؒ دیوبند میں

حضرت نانوتوی جب دارالعلوم کا قیام عمل میں آیا اس وقت میرٹھ کے مطبع میں تصحیح کا کام کرر ہے تھے، آپ کے ساتھ مولانا محمد یعقوب نانوتوی بھی مطبع میں ملازم تھے، اس دور ملازمت میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اور ایک جماعت نے حضرت نانوتویؒ سے دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھیں، یہ تدریسی خدمات حضرت نانوتویؒ میرٹھ اور دہلی کے مطابع میں ملازمت کے دوران انجام دیتے رہے، متعدد تحریروں کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں یہ کہ حضرت نانوتویؒ قیام دارالعلوم کے کم از کم سات سال بعد دیوبند تشریف لائے اور دارالعلوم کو ہمہ جہت فروغ دینے میں مصروف ہوگئے۔

ہمارے اس دعویٰ کی تائید مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کی اس تحریر سے بھی ہوتی ہے کہ:

''۱۲۸۴ھ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے کنزالدقائق، میبذی، اور مختصر المعانی کا امتحان دیا، اور ۱۲۸۵ھ میں مشکوٰۃ، مقامات حریری، کے

امتحانات میں شریک ہوئے ۱۲۸۶ھ میں کتب صحاح ستہ اور بعض دیگر کتابیں اپنے فخر زمانہ استاذ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب سے پڑھیں، اس وقت مولانا میرٹھ میں منشی ممتاز علی صاحب کے مطبع میں تصحیح کی خدمت انجام دیتے تھے"۔ (تذکرہ شیخ الہند، ص:۵۶، از مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری)

حضرت شیخ الہند کے ایک دوسرے سوانح نگار حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ نے اپنی کتاب حیات شیخ الہند میں تحریر فرمایا ہے کہ:

"ہمارے حضرت مولانا اجرائے مدرسہ کے بعد مدرسہ کے السابقین الاولین مدرسہ میں داخل ہوئے، ۱۲۸۴ھ میں آپ نے کنز الدقائق، میبذی، مختصر المعانی، وغیرہ پڑھ کر سالانہ امتحان دیا اور آئندہ سال ہدایہ، مشکوٰۃ شریف، مقامات حریری میں امتحانات دیئے، ۱۲۸۶ھ میں کتب صحاح ستہ اور بعض دیگر کتب اپنے فخر زمانہ استاذ حجۃ اللہ البالغہ مولانا محمد قاسم صاحب سے شروع کیں، مولانا ممدوح میرٹھ میں منشی ممتاز علی صاحب کے مطبع میں تصحیح کا کام کرتے تھے، پھر یہ مطبع دہلی میں منتقل ہوگیا تو مولانا ممدوح بھی دہلی منتقل ہوگئے اور کبھی کبھی دیوبند اور اپنے وطن نانوتہ بھی تشریف لے جاکر مقیم ہوئے۔

حضرت مولانا نے ان سب مقامات میں اکثر اپنے باکمال استاذ کے ساتھ رہ کر دل و جان سے قابل رشک خدمت کرکے سعادت حاصل کی اور سفر و حضر میں سلسلہ درس جاری رکھ کر استاذ کی شفقت اور اپنی ذکاوت سے بکمال تحقیق کتابیں پڑھیں، اسی طرح رفتہ رفتہ ۱۲۸۹ھ تک حضرت سے تمام صحاح ستہ اور دیگر فنون کی اعلیٰ کتابیں مولانا کی خدمت میں ختم فرمائیں"۔

دونوں تذکرہ نگاروں کے بیانات سامنے رکھنے کے بعد یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت نانوتویؒ ۱۲۸۹ھ تک دیوبند میں اقامت پذیر نہیں ہوئے تھے، کبھی کبھی تشریف لاتے تھے، یہ تشریف آوری رشتہ کی بنیاد پر ہوتی تھی، یا مدرسہ کی ضرورت سے تشریف لاتے تھے، اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا ہے، البتہ یہ خیال زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے کہ رشتہ کی وجہ سے تشریف

تشریف آوری ہوا کرتی تھی جس طرح نانوتہ وطن مالوف ہونے کی وجہ سے تشریف لے جاتے تھے۔

دارالعلوم کی سالانہ رودادوں سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ حضرت نانوتویؒ جب دارالعلوم میں تشریف لائے ہیں تو اس کا تذکرہ روداد میں کیا گیا ہے، چناں چہ سالانہ امتحانات لینے تشریف لائے تو روداد میں وضاحت کی گئی، اسی طرح مدرسہ اسلامیہ دیوبند کی روداد ۱۲۹۰ھ میں حضرت نانوتوی کا ذکر خیر موجود ہے روداد کے الفاظ یہ ہیں:

"اس سال میں متعدد طلبہ نے مجوزہ نصاب تعلیم کی تکمیل کر کے سند فراغ انعام حاصل کیا، امتحان سالانہ میں مثل سابق ۱۱ر ذی قعدہ ۱۲۹۰ھ مطابق ۹ر جنوری ۱۸۷۴ء دیوبند کی جامع مسجد میں منعقد ہوا، اہل اسلام اور خیر خواہان مدرسہ مختلف اضلاع وقصبات سے تشریف لائے شرکاء جلسہ میں سے قابل ذکر حضرات یہ ہیں۔

۱- حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی

۲- حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی

۳- مولوی نور اللہ صاحب گلاوٹھی وغیرہم

روداد کی عبارت سے بھی واضح اشارہ ملتا ہے کہ حضرت نانوتویؒ ۱۲۹۰ھ تک دیوبند میں مقیم نہیں ہوئے تھے، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کی کتاب سوانح عمری سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نانوتویؒ منشی ممتاز علی صاحب کے مطبع میرٹھ میں تصحیح کا کام کر رہے تھے، اسی زمانہ میں مولانا محمد یعقوب صاحب بھی بریلی اور لکھنؤ کی ملازمت چھوڑ کر میرٹھ کے اسی مطبع میں ملازم ہو گئے تھے منشی ممتاز علی صاحب ۱۲۸۵ھ میں عرب میں قیام کے قصد وارادے سے عرب تشریف لے گئے، اسی سال ۱۲۸۵ھ میں حضرت نانوتویؒ نے بھی اپنے چند رفقاء کو ہمراہ لے کر حج کیا، حضرت مولانا حج سے فارغ ہو کر ہندوستان آ گئے، منشی ممتاز علی صاحب کے حجاز جانے کی وجہ سے مطبع بند ہو گیا تھا، حضرت مولانا نے واپس مولوی محمد ہاشم صاحب کے مطبع میں کام شروع کیا یہ بھی میرٹھ میں تھا۔

ایک سال بعد منشی ممتاز علی صاحب حجاز سے واپس آ گئے اور اپنا مطبع دہلی میں منتقل کر لیا،

حضرت مولانا بھی دہلی تشریف لے گئے اور منشی جی کے مطبع میں حسب سابق کام سنبھال لیا۔
(تفصیل کے لیے دیکھئے سوانح عمری از مولانا محمد یعقوب، ص ۳۹)

۱۲۸۵ھ میں منشی ممتاز علی مرحوم حجاز تشریف لے گئے ایک سال بعد یعنی ۱۲۸۷ھ میں واپسی ہوئی، مطبع دہلی منتقل ہوا، حضرت نانوتوی بھی میرٹھ سے دہلی منتقل ہو گئے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت نانوتوی ۱۲۸۹ھ سے دہلی مطبع میں ملازم تھے اور ۱۲۹۰ھ کے جلسہ میں دہلی سے تشریف لا کر شریک ہوئے تھے، اسی تجزیہ کے بعد میں نے لکھا ہے کہ حضرت نانوتوی کم از کم سات سال بعد دیوبند تشریف لائے ان تاریخی شواہد سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ مدرسہ عربی دیوبند کے بانی مبانی اصل اصول اور مجوز اوّل حضرت حاجی سید محمد عابد صاحب تھے، آپ کو یہ بات یاد ہوگی کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کے بعد حضرت حاجی صاحب نے چند اہل علم کے سامنے خواب بیان فرمایا اور عربی مدرسہ قائم کرنے کی تجویز پیش کی مدعو حضرات نے اس تجویز کی تائید کی، اور اس مجلس میں حضرت حاجی صاحب نے چندہ کا آغاز کر دیا، دوسرے دن حضرت نانوتوی کے نام مکتوب لکھا حضرت نے خوشی کا اظہار فرمایا اور اپنے بجائے ملا محمود کو مدرس نامزد کر کے دیوبند بھیج دیا، حضرت حاجی صاحب نے ان کو قبول فرما کر مدرسہ کا افتتاح کر دیا، مولانا عبد العزیز، مولانا عبد الکریم اور مولانا محمود حسن نے زانوئے ادب تہہ کیا۔

حضرت حاجی صاحب نے جو مجلس شوریٰ تشکیل کی تھی اسی نے حضرت حاجی صاحب کو پہلا مہتمم مقرر کیا، حضرت حاجی صاحب کی عدم موجودگی میں حضرت مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم بنائے گئے، ان کی ہجرت کے بعد حضرت حاجی صاحب دوبارہ منتخب ہوئے، اہتمام کی زمام کار حضرت حاجی صاحب نے تین مرتبہ سنبھالی، حاجی صاحب کے بعد منشی فضل حق صاحب مہتمم بنائے گئے، منشی جی مرحوم حضرت نانوتوی کے خاص مسترشد تھے ان پر دو آنے غبن کا الزام عائد ہوا تو اس مرد غیور میں الزام کے تحمل کی سکت نہیں رہی، دیوبند کو خیر باد کہا اور نہ جانے کہاں چلے گئے جستجو کے باوجود ان کا سراغ نہیں ملا۔

منشی جی مرحوم کے بعد مولانا منیر احمد صاحب چوتھے مہتمم بنائے گئے، آں محترم کے بعد حضرت نانوتوی کے صاحبزادہ محترم مولانا حافظ محمد احمد صاحب پانچویں مہتمم منتخب ہوئے۔

پانچویں مہتمم

حضرت مولانا منیر احمد صاحب تک حضرت حاجی سید محمد عابد صاحب ہی مدرسہ کے بانی اور مجوز اوّل کہے اور لکھے جاتے رہے، اس حقیقت سے کسی نے انحراف نہیں کیا اور نہ ہی کسی دوسرے فرد کو بانی کہنے کی جرأت کی، لیکن حافظ احمد صاحب مرحوم نے اپنے دورِ اہتمام میں حضرت نانوتویؒ کے بانی ہونے کا انکشاف کیا۔

٦ر جنوری ١٩٠٥ء میں مولانا حافظ احمد صاحب کی دعوت پر انگریز لفٹیننٹ گورنر صاحب بہادر متحدہ ممالک دیوبند تشریف لائے، مدرسہ کے معائنہ کے موقعہ پر پہلی مرتبہ حضرت مولانا احمد صاحب نے حضرت نانوتویؒ کو دار العلوم کا بانی کہا، حافظ احمد صاحب نے کس مقصد سے گورنر کو مدعو کیا تھا اس پر آج تک پردہ پڑا ہوا ہے، بہ ظاہر تو دعوت کا مقصد معائنہ کرانا تھا وہ ہوا اور حافظ احمد صاحبؒ کو انگریزی خطاب شمس العلماء سے نوازا گیا۔ علماء دیوبند میں یہ پہلے شخص ہیں جن کو انگریز سی آئی ڈی نے اپنی رپورٹ میں انگریزی حکومت کا وفادار کہا ہے۔ حافظ صاحبؒ کی وفاداریاں کیا تھیں اور وفاداری کا مقصد کیا تھا؟ ہمارے موضوع سے خارج ہے، البتہ حافظ صاحبؒ نے پہلی مرتبہ حضرت نانوتویؒ کو بانی مدرسہ کہہ کر ہمدردانِ مدرسہ کو چونکا دیا، نہ صرف یہ کہ ٦ر جنوری ١٩٠٥ء کے جلسے میں بانی مدرسہ ہونے کا اعلان فرمایا بلکہ جلسہ کی روئداد میں بھی بانی کی تکرار کی گئی ایک مختصر اقتباس اسی روداد کا ملاحظہ فرمایئے۔

> "مہتمم صاحب نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ کے اصول وصایا کا حوالہ دے کر بیان کیا کہ مدرسہ کا مدار عام چندہ پر ہے، اس وقت تک منتظمان مدرسہ نے مدرسہ کے واسطے جائداد مستقل کو نہ پسند کیا نہ اس کی تدبیر کی ہے۔
>
> اثنائے تذکرہ میں دیوبند کے جھگڑوں اور اختلافات وغیرہ کا حال (جو اگر چہ

جامع مسجد کے متعلق تھے مگر بعض حضرات نے ان میں منتظمان مدرسہ کو بھی ملوث کرنا چاہا تھا) دریافت فرمایا۔ مہتمم صاحب نے جامع تقریر میں اصلیت نزاع و اختلافات امامت جامع مسجد و کیفیت مخالفین مدرسہ یہاں کی، نواب (محمد یوسف علی خاں) صاحب نے بھی اس وقت یہ تقریر کی کہ تمام شرکار چندہ اور ہم لوگوں کو قدیم سے کارکنان و ممبران مدرسہ پر پورا اعتماد اور اطمینان ہے، بالخصوص جب سے مہتمم صاحب حال نے جو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی مدرسہ کے جانشین ہیں، اہتمام مدرسہ اپنے ہاتھ میں لیا ہے، مدرسہ ہر قسم کی ترقی کر رہا ہے، ہم ہمیشہ آتے اور مدرسہ اور اس کے انتظامات کو دیکھتے ہیں، تمام امور قابل اطمینان ہیں مخالفین محض حسد اور فساد طینت کی وجہ سے خلاف کرتے ہیں، مدرسہ کو کسی جھگڑے سے علاقہ نہیں، جب سے چند اشخاص مچلکوں اور ضمانتوں میں پابند کر دیے گئے ہیں، کسی قسم کا اندیشہ نہیں رہا وغیرہ وغیرہ۔ (ص:۱۲-۱۳)

اسی مذکورہ اقتباس میں حضرت نانوتویؒ کو دوبار بانی لکھا گیا ہے، ۱۳۲۰ھ کی جو سالانہ روئداد شائع کی گئی ہے، اس میں بھی حضرت نانوتویؒ کو بانی لکھا گیا ہے اور جگہ جگہ لکھا گیا ہے، یہی حضرت نانوتویؒ کو بانی مدرسہ لکھنے کا نقطۂ آغاز ہے، اس کے بعد بانی کا اس قدر پروپیگنڈہ کیا گیا کہ اصل بانی کا نام پردۂ خفار میں آ گیا، کہیں بھولے سے بھی حضرت حاجی صاحب کو بانی کہہ کر یاد نہیں کیا گیا اور اس حقیقت کو چھپانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔

اس تشہیر کا مقصد کیا تھا اور بانی تسلیم کرانے کی مہم کیوں چھیڑی گئی؟ اس کا اندازہ اس وقت ہوا جو تیئس سال پہلے دارالعلوم کا نیا انقلاب برپا ہوا اور دارالعلوم پر وراثت کے بادل منڈلانے لگے، لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ انقلاب لانے کے لیے انقلابی جو باتیں کہہ رہے تھے وہی خامیاں خود بھی دہرا رہے ہیں، اب تو عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ کے ساٹھ سالہ دورِ اہتمام میں جتنی کمزوریاں سامنے آئی تھیں اس کی دوچند کمزوریاں بائیس سال میں سامنے آ گئیں، پہلے دارالعلوم پر ایک خانوادہ کا غلبہ تھا اور اب دوسرے خاندان کا غلبہ ہے، پہلے مہتمم عالم اسلام کے مایہ ناز عالم و مصنف اور خطیب تھے موجودہ مہتمم میں صرف یہ خوبی

ہے کہ دارالعلوم کے اہتمام سے پہچانے گئے، ورنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے؟

بہر حال حضرت نانوتویؒ کے بانیٔ دارالعلوم ہونے کی تشہیر بڑے پیمانے پر کی گئی، اس تشہیر کا یہ نتیجہ ہوا کہ بانی کی حیثیت سے حضرت نانوتویؒ مشہور ہو گئے اور اب تو کم ہی لوگ جانتے ہیں کہ دارالعلوم کے بانی مبانی حضرت حاجی سید محمد عابد حسین صاحب تھے۔

بانی کون؟

حالاں کہ جب حافظ احمد صاحب حضرت نانوتویؒ کے بانی ہونے کا انکشاف کیا تھا، اسی وقت بہت سے باخبر حضرات نے اس انکشاف پر حیرت کا اظہار کیا، چھوٹے بڑے کتابچے بھی شائع کیے گئے، لیکن تشہیر کی مہم میں فرق نہیں آیا بلکہ مہم تیز سے تیز تر ہوگئی۔ پھر اسی روش پر عام وخاص سب چل پڑے اور قدیم ترین تحریروں میں موشگافیاں کی گئیں تاویلات کے دروازے کھولے گئے اور کھینچ تان کر حضرت نانوتویؒ کو بانیٔ دارالعلوم باور کرانے کی کوشش کی گئی، اس تشہیری مہم کے باوجود کبھی کبھی اصل تاریخ بیان کرنے والے بھی سامنے آتے رہے۔ مگر اس کو کیا کیجئے کہ تشہیری مہم کے مردان کار اس کو اس طرح دبا دیتے کہ اس کا ذکر بھی زبانوں پر نہیں آتا۔

ایک حقیقت افروز کتاب ۱۳۲۳ھ میں منظر عام پر آگئی تھی اس میں چند سوالات کئے گئے ہیں کہ:

اوّل: کیا مدرسہ کے بانی مولانا محمد قاسمؒ ہیں؟

دوئم: کیا مدرسہ کے انتظامات ٹھیک مولانا علیہ الرحمہ کے اصول ووصایا پر چل رہے ہیں؟ سوئم: کیا دیوبند کے تنازعات میں مدرسہ کا کوئی تعلق نہیں؟

ان سوالات کا جواب دیتے ہوئے فاضل مرتب نے حضرت حاجی سید محمد عابدؒ کے بانی مبانی ہونے کے ثبوت بہم پہنچائے ہیں اور یہ کہ ۱۳۲۰ھ سے پہلے کسی تحریر میں حضرت نانوتوی کا اسم گرامی بہ حیثیت بانیٔ دارالعلوم نہیں ملتا، حافظ احمد صاحبؒ کے اعلان وتشہیر کے بعد حضرت نانوتوی کا نام نامی بہ حیثیت بانی آنے لگا ہے، اس کی تفصیل آئندہ آرہی ہے۔

فاضل مرتب نے دوسرا سوال قائم کیا ہے کہ کیا مدرسہ کے انتظامات ٹھیک مولانا کے اصول ووصایا پر چل رہے ہیں؟ اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ قابل لحاظ ہے کہ حضرت نانوتوی کا کوئی وصیت نامہ مدرسہ کے سلسلے میں نہیں ہے، اس کی ایک معقول وجہ یہ ہے کہ مدرسہ نہ ان کی میراث یا مولانا علیہ الرحمہ کی میراث نہیں ہے کہ ترکہ کی وصیت کی جائے البتہ حضرت نانوتوی کے مرتب فرمودہ اصول وضوابط ہو سکتے ہیں، انھیں اصول وضوابط میں اس دفعہ کا مراد بھی تھا ہے کہ مولانا علیہ الرحمہ کا کوئی رشتہ دار یا متوسل مدرسہ کی ملازمت میں نہیں لیا جائے گا، اسی طرح ارکان شوریٰ کا کوئی رشتہ دار یا متوسل ملازم نہیں ہوگا۔

چناں چہ دارالعلوم کے ابتدائی دور میں اس دفعہ پر سختی سے عمل ہوا، شیخ نہال احمد صاحب مرحوم جو حضرت نانوتویؒ کے رشتہ دار بہنوئی تھے ان کو مجلس شوریٰ کا رکن محض اس لیے نہیں بنایا گیا کہ یہ مولاناؒ کے رشتہ دار تھے، اسی طرح مولانا عبداللہ انصاری کو جو حضرت مولانا کے داماد تھے محض رشتہ کی بنیاد پر دارالعلوم کا مدرس نہیں بنایا گیا۔

لیکن حالات میں انقلاب آیا، افکار ونظریات بدلے تو حضرت نانوتویؒ کے صاحبزادے حافظ احمد صاحبؒ کو ۱۳۱۲ھ میں دارالعلوم کا معقول مشاہرہ پر مہتمم بنادیا گیا، پھر تو کہنا چاہیے کہ بند دروازہ کھل گیا اور رشتہ داروں کی مدرسہ میں خاصی تعداد ہوگئی۔

یہی حال ارکانِ شوریٰ کے جدید انتخاب کا بھی ہوا، اس میں بھی شخصیت واستعداد سے صرف نظر کر کے رشتہ داروں کو رکنیت عطا کردی گئی ان خامیوں نے دارالعلوم کو شدید نقصان پہنچایا، حضرت حاجی سید محمد عابد صاحبؒ کا نام نامی دارالعلوم کی تاریخ سے کھرچنے کی ناروا کوشش کی گئی اور بالآخر یہ مہم کامیاب ہوئی، یہ مہم کیوں چھیڑی گئی؟ اس کا جواب دیا جا چکا ہے کہ دارالعلوم پر موروثی قبضہ کا منصوبہ تھا جس کا مظاہرہ بائیس سال پہلے ہو چکا ہے۔

تاریخ کا المیہ

یہ بھی تاریخ کا ایک المیہ ہے کہ اجتماعی بڑے اداروں کو میراث بنانے کی ہر ممکن تدبیر کی

جاتی ہے، دارالعلوم تو سامنے ہی ہے لیکن روح فرسا معاملہ یہ ہے کہ دارالعلوم کو موروثی ادارہ بننے سے بچانے کے لیے مولانا اسعد مدنیؒ نے انقلابی جنگ چھیڑ دی اور یہ جنگ اس وقت تک جاری رہی جب تک انقلابیوں نے دارالعلوم پر قبضہ نہیں کرلیا، میرے کانوں میں یہ آواز اب تک گونج رہی ہے کہ یہ انقلاب میں اس لیے نہیں چاہتا کہ دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کا رکن بنادیا جاؤں، میں مجلس کی رکنیت کو اکل میتہ سمجھتا ہوں۔ یہ الفاظ اتنی شدومد کے ساتھ دہرائے گئے کہ سننے والوں کو یقین ہوگیا کہ مستقبل میں دارالعلوم اجارہ داری سے محفوظ رہے گا مگر ابھی انقلاب کی آنچ مدھم نہیں ہوئی تھی کہ حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن ہوگئے، برادر عزیز مولانا سید ارشد مدنی دارالعلوم کے استاذ حدیث بنے اس کے ساتھ ناظم تعلیمات بھی، مولانا مدنی مرحوم نے اپنے بہنوئی قاری محمد عثمان صاحب کو نائب مہتمم بنادیا، مولانا مدنی کے سمدھی مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم ہیں، یعنی دارالعلوم کے کلیدی عہدے اپنی جیب میں۔ ہاں اس سے انکار نہیں کہ مجلس شوریٰ ضابطے میں ہے لیکن جوں جوں جگہ خالی ہوتی گئی مولانا اسعد مدنی مرحوم نے اپنے لوگوں کو رکنیت سے نواز دیا، مذکورہ کلیدی عہدیدار جو چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے، شوریٰ برائے نام نظر آتی ہے۔

جمعیۃ علماء

یہی حال جمعیۃ علماء ہند کا ہے حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ جمعیۃ علماء ہند کے صدر رہے، اور اپنے بیٹے مولانا محمود مدنی کو جمعیۃ کا جنرل سکریٹری بنادیا مولانا اسجد مدنی (برادر خورد مولانا اسعد مدنی) منتظم بنائے گئے، مولانا اسعد مدنیؒ کے انتقال کے بعد جمعیۃ پر قبضے کے لیے چچا اور بھتیجے میں معرکہ آرائی ہوئی، بالآخر چچا اور بھتیجے میں مصالحت ہوگئی، یعنی وراثت میں عہدوں پر اتفاق رائے ہوگیا، اس معرکہ آرائی کے اختتام کے بعد مولانا سید ارشد مدنی نے سیاسی زعماء کی طرح طوفانی دورہ کیا، آگے پیچھے موٹر کاریں دوڑتی رہیں، سنت کبیر نگر اور سدھارتھ نگر ضلعوں میں تو ہم نے یہی دیکھا، کہیں ۵ منٹ بیٹھ گئے، اور کہیں دس منٹ، ان اضلاع میں کہیں

خطاب اور پیغام کی اطلاع نہیں ملی، اس طوفانی دورہ کا مقصد کیا تھا یہ تو مولانا ہی بتا سکیں گے، ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ دورہ موروثیت کو استحکام بخشنے کے لیے کیا گیا تھا، ہمارا خیال ہے کہ چند ارباب جمعیۃ نے صدارت کے مسئلہ میں جو اختلاف رائے کیا تھا وہ بھی اس طوفان کی تاب نہ لا سکے اور خاموش ہو گئے۔ ایک خاص بات یہ بھی دیکھنے میں آئی کہ اخبارات میں مبارک باد کے اشتہارات کثرت سے شائع کرائے گئے، اس سے پہلے یہ منظر سامنے نہیں آیا تھا، ہوسکتا ہے کہ اشتہارات کو کسی نظریہ کے تحت محفوظ کرلیا گیا ہو۔

جس وقت مذکورہ چند سطریں چچا بھتیجے کے اختلاف کے تعلق سے لکھی گئیں تھی، اس وقت مصالحت ہوگئی تھی، لیکن یہ مصالحت دیرپا ثابت نہیں ہوئی اور جلد ہی دوبارہ اختلافات شروع ہوگئے اور ان میں اتنی شدت پیدا ہوئی کہ دونوں نے اپنے اپنے موقف کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کتابچے شائع کیے اور نوبت عدالتوں تک جانے کی آگئی اور ابھی یہ مقدمات عدالتوں میں چل رہے ہیں اور کب تک چلیں گے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

المیہ یہ ہے کہ جمعیۃ علمار ہند کے دو گروپ ہوگئے، ایک گروپ کی قیادت وصدارت مولانا سید ارشد مدنی کررہے ہیں اور دوسرے گروپ کی قیادت مولانا محمود مدنی کررہے ہیں انھوں نے قاری محمد عثمان منصور پوری کو اپنی جمعیۃ علمار ہند کا صدر بنایا ہے، یہ قاری صاحب مولانا سید ارشد مدنی کے بہنوئی اور مولانا محمود مدنی کے پھوپھا ہیں، یعنی شیرینی کی تقسیم گھر سے باہر نہ جانے پائے، ان دونوں قائدین نے ملت اسلامیہ ہند کو دو حصوں میں منقسم کردیا ہے، یہ دونوں کے حامی ملک کے ہر حصہ میں موجود ہیں، دونوں ہی جمعیۃ علمار ہند کے دعویدار ہیں مسجد عبدالنبی نئی دہلی میں دفتر جمعیۃ علمار ہند کے دفتر عمارت پر مولانا محمود مدنی کا قبضہ ہے اور مولانا ارشد مدنی دفتر کے دو کمروں پر قابض ہیں، جمعیۃ علمار ہند اتر پردیش کے دفتر پر بھی مولانا محمود مدنی گروپ کا قبضہ ہے۔ مولانا ارشد مدنی کے جمعیتی جلسے جمعیۃ علمار ہند کی عمارت کے بجائے دہلی کے کسی دوسرے مقام پر ہوتے ہیں، اسی طرح اتر پردیش جمعیۃ کے جلسے کسی اور مقام پر ہوتے ہیں جمعیۃ کے دفتر میں گزر شاید ممکن نہیں ہے۔

دارالعلوم دیوبند کی تاسیس سے متعلق تو بہت سے مضامین اور کتابیں شائع ہوئیں، ان میں کسی نہ کسی حیثیت سے حضرت الحاج الحافظ سید محمد عابد حسینؒ صاحب کا نام آجاتا ہے لیکن مشہور غیر مقلد عالم مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری کا نام نامی کسی تعیتی کی زبان پر نہیں آتا، حالاں کہ یہی مولانا امرتسری جمعیۃ علماء ہند کے محرک اوّل تھے اور انہی کی حوصلہ مندی سے جمعیۃ علماء ہند کا پہلا اجلاس امرتسر میں ہوا تھا اس کی صدارت مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے کی تھی۔

یہی صورت حال دارالعلوم دیوبند کے بانی اور محرک اوّل کے ساتھ پیش آئی جب کہ تاریخ کے اوراق پارینہ میں دونوں کا نام محفوظ ہے۔

ہمیں اس سے بحث نہیں کہ جمعیۃ میں کیا کچھ ہورہا ہے، سروکار صرف اس سے ہے کہ اجتماعی اداروں کو موروثی بنانے کی مہم کیوں جاری ہے؟ ملت اسلامیہ کے دو عظیم ادارے اب ایک خاندان کے قبضے میں اور موروثی اداروں میں کیا کچھ ہوتا ہے دنیا اس سے ناواقف نہیں ہے، کبھی کبھی وراثت کے خلاف آواز بھی بلند ہوتی ہے، حقائق سامنے لائے جاتے ہیں اور تاریخی شواہد پیش کیے جاتے ہیں مگر ان تاریخی حقائق کو مسخ کرنے کے لیے موشگافیاں کی جاتی ہیں اور تاویلات کے دروازے کھول کر تاریخ کے سامنے دیوار کھڑی کردی جاتی ہے۔ چناں چہ تاریخ دارالعلوم کے ساتھ بھی یہی مذاق کیا گیا اور بانی حضرت حاجی سید محمد عابد صاحب کے بجائے حضرت نانوتویؒ کو بانی ثابت کرنے کے لیے خوب خوب موشگافیاں کی گئیں۔

مفتی عزیز الرحمٰن کا مضمون

''بانی دارالعلوم دیوبند'' کے عنوان سے ''مدینہ'' بجنور میں ۹؍جولائی ۱۹۶۵ء مطابق ۹؍ربیع الاوّل ۱۳۸۵ھ کی اشاعت میں مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری کا مضمون شائع ہوا تھا، مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے حقائق کی روشنی میں حضرت حاجی سید محمد عابد صاحبؒ کو دارالعلوم دیوبند کا بانی لکھا تھا، اس مضمون سے اس حلقہ میں بے چینی پیدا ہوگئی جو حضرت نانوتویؒ کو بانی

کہنے اور لکھنے کا عادی ہو چکا تھا، اسی اضطراب نے حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کو بھی جوابی تحریر شائع کرنے پر مجبور کر دیا، چناں چہ مفتی صاحب کے مضمون کا تعاقب کرتے ہوئے ایک طویل مضمون ۶ رقسطوں میں ''مدینہ'' بجنور کی اشاعت ۱۷ر اکتوبر ۱۹۶۵ء، ۲۵ر اکتوبر، ۲۸، اکتوبر، یکم نومبر اور ۵ر نومبر کو شائع کیا گیا۔

یہی طویل تحریر دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ نشر و اشاعت نے ۱۳۹۹ھ میں کتابی شکل میں شائع کی، اس تحریر کا عنوان ''تاسیس دارالعلوم دیوبند'' ہے، ضخامت ۱۲۷ صفحات، ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ حضرت قاری صاحبؒ کی تحریر کا تاریخی جائزہ لیا جائے اور دیکھا جائے کہ دارالعلوم کا بانی حضرت قاری صاحب کی تحریر میں کون نظر آتا ہے؟ یوں تو حضرت قاری صاحبؒ کی تحریر کا حاصل یہی ہے کہ حضرت نانوتویؒ بانیٔ دارالعلوم ہیں اور جو حضرات حضرت حاجی صاحبؒ کو دارالعلوم کا بانی مبانی باور کراتے ہیں، وہ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ آئندہ سطروں میں مناسب مواقع پر وہ شواہد پیش کیے جائیں گے، جو حضرت حاجی صاحبؒ کو بانی ہونے کا یقین دلاتے ہیں۔ پہلے حضرت قاری صاحبؒ کی تحریر کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔

دارالعلوم کی بنا کا مسئلہ

اسی ذیلی عنوان کے تحت حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''دارالعلوم کی تاسیس میں پیش قدمی کس نے کی، جس پر بانی کا اطلاق کیا جائے؟ سو دارالعلوم اور ملک کے عام علمی حلقوں میں اس عظیم ادارہ کا بانی حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ العزیز کو سمجھا جاتا ہے جو عموماً زبانوں پر مذکور اور قلوب میں متعارف ہیں لیکن کچھ عرصہ سے اس کے خلاف یہ منفی آواز کانوں میں پڑ رہی ہے کہ حضرت نانوتویؒ بانی مدرسہ نہیں ہیں، اور نہیں کہا جا سکتا کہ اس منفی آواز کے لیے کوئی بنیاد نہیں ہے بلکہ کچھ پہلو ایسے ضرور موجود ہیں کہ ان کی رو سے بظاہر اس منفی آواز کی گنجائش بھی نکلتی ہے یہ بحث الگ ہے کہ اس منفی آواز کی بنیادیں تاریخی طور

پر کیا مقام رکھتی ہے۔ تاہم آواز ہے اور اٹھی ہوئی ہے اور اس آواز کی تصدیق بکذیب سے قطع نظر اس سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ حضرت نانوتوی کے بانی مدرسہ دیوبند ہونے کی نفی کا تصور بعض حلقوں میں موجود ہے''۔ (تاسیس دارالعلوم دیوبند ص:۱۰)

حضرت قاری صاحبؒ نے جہاں تک حضرت نانوتویؒ کے بانی ہونے کو عام علمی حلقوں میں متعارف ہونے کی بات کہی ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، ظاہر ہے کہ جس نام کی تشہیر سوسال سے کی جارہی ہو اور اس بڑے پیمانے پر کہ جس کا احاطہ بھی نہیں کیا جاسکتا ہو پھر دوسرا نام متعارف کیسے ہوگا؟ جس کے لیے نہ کوئی تشہیری مہم ہے اور نہ اس کا نام دارالعلوم کے احاطہ میں لیا جاتا ہے، شہرت کے بال و پر نہیں ہوتے بال و پر پیدا کیے جاتے ہیں۔ ۱۹۰۵ء میں اس مہم کا آغاز ہوا اور آج تک وہی بات دہرائی جارہی ہے، اس تشہیری مہم کی بسم اللہ حضرت نانوتویؒ کے صاحبزادۂ محترم حافظ احمد صاحبؒ نے کی تھی اس سے پہلے کسی نے حضرت نانوتویؒ کو مدرسہ دیوبند کا بانی نہیں کہا، البتہ سرپرست لکھے جاتے رہے۔

اس تاریخی حقیقت کے باوجود حضرت حاجی صاحبؒ کو بانی کہنے کی آواز کو منفی آواز کہنا تاریخ کا مذاق اڑانا ہے، سچ تو یہ ہے کہ جو لوگ حضرت حاجی صاحبؒ کو بانی نہیں کہتے وہ منفی آواز اور فکر کے لوگ ہیں، چوں کہ حضرت حاجی صاحب کے بانی ہونے کے شواہد کو جھٹلایا نہیں جاسکتا اس لیے حضرت قاری صاحبؒ کو مجبوراً یہ کہنا پڑا کہ کچھ پہلو ایسے ضرور موجود ہیں کہ ان کی رو سے بظاہر اس منفی آواز کی گنجائش بھی نکلتی ہے''۔

حضرت قاری صاحبؒ نے یکسر ان تاریخی حقائق کو نظر انداز نہیں کیا ہے جو حضرت حاجی صاحبؒ کے لیے سامنے لائے جاتے ہیں چناں چہ ''مسئلہ کی تنقیح'' کے ذیلی عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ ''اس صدا کی کچھ بنیادیں ہیں اور ان میں سے بعض دل لگتی بھی ہیں'' پھر بھی حضرت قاری صاحبؒ دل لگنے والے شواہد کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ تسلیم کرنے والوں کو منفی آواز والا بتاتے ہیں، حالاں کہ تاریخی شواہد کو تسلیم کر لینا ہی مثبت انداز فکر ہے، تاریخی حقائق میں موشگافیاں کر کے حقیقت کو مسخ کرنے کا رجحان ہی منفی ہے، خواہ منفی رجحان کے

پس پردہ کوئی بھی سبب ہو۔

حضرت قاری صاحبؒ نے "حاجی عابد حسین صاحبؒ اور بناء دارالعلوم" کے ذیلی عنوان کے تحت فرمایا ہے کہ:

"تقی کے حلقہ نے دارالعلوم دیوبند کا بانی حضرت حاجی عابد صاحبؒ کو قرار دیا ہے لیکن عرض کردہ نقطۂ نظر سے یہ زیر بحث ہی نہیں اور نہ حضرت ممدوح کے بانی ہونے سے کسی کو انکار ہے، خود احقر نے بھی اپنی متعدد تحریرات میں انھیں بانیان مدرسہ میں گنایا ہے"۔ (تاسیس، ص:۱۳)

حضرت قاری صاحبؒ کو حضرت حاجی صاحبؒ کا بانی مدرسہ ہونا تسلیم ہے لیکن حضرت حاجی صاحب کے ساتھ دیگر شخصیت کو بھی بانی تسلیم کرانے پر مصر ہیں بالخصوص حضرت نانوتویؒ کو، اس کے لیے حضرت قاری صاحب نے ایک نقطۂ نظر پیش فرمایا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہم قاری صاحبؒ کے الفاظ نقل کر دیں، تا کہ تبصرہ میں حقیقت عیاں ہو جائے، تو ملاحظہ فرمایئے حضرت قاری صاحبؒ کے الفاظ:

"بانئ دارالعلوم کوئی بھی فرد ہو یا جماعت، اصل شے بناء ہے، جس نے مسلمانانِ ہند و بیرون ہند کو نظری اور عملی قدروں کے ساتھ راہ استقامت پر ڈالا اور انھیں ایک خاص فکر عطا کیا اور سو برس سے آج تک اس کی وہی افادی نوعیت قائم ہے، ظاہر ہے کہ بناء تاسیس اینٹ پر اینٹ رکھ دینے کا نام نہیں ہے ورنہ معمار کو بانی ہونا چاہیے، بلکہ حقیقی بناء وہ فکر و نظر اور وہ نصب العین ہے جس کے لیے کسی ادارہ کا آغاز کیا جائے، یہ الگ بات ہے کہ فکر سامنے آنے سے صاحب فکر یا مفکر ذات بھی طبعاً سامنے آجائے اور اس کی تاسیس کی نوبت پر کلام بھی کیا جائے لیکن حقیقتاً مقصود اصلی بناء ہی رہتی ہے اس لیے میرا روئے سخن بنیاد سے بانی کی طرف جاتا ہے بانی سے بنیاد کی طرف نہیں آتا ہے"۔ (تاسیس، ص:۱۲)

بانی کے حوالہ سے حضرت قاری صاحبؒ نے جو نقطۂ نظر پیش فرمایا ہے ان کا اپنا ذاتی

نظریہ ہے دنیا کا فلسفۂ تاریخ اس نظریہ کا ساتھ نہیں دیتا، اس طرح کی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ کسی تحریک کو فروغ دینے والے کو محرک اور تحریک کا بانی نہیں کہا گیا ہے، نہ ہی عقل و ہوش اس کو تسلیم کرتے ہیں، مغل سلطنت کا بانی بابر ہے، لیکن وہ سلطنت کو فروغ نہیں دے سکا، جلال الدین اکبر نے وسیع تر حکومت قائم کی لیکن اس کو کسی مورخ نے مغل سلطنت کا بانی نہیں کہا بلکہ زیادہ سے زیادہ مغل اعظم کہا، اسی سلطنت کا تاجور اورنگ زیب عالم گیر بھی گذرا ہے، اس کا دائرہ حکومت سب سے وسیع تھا، اس نے حکومت کے افکار و نظریات میں بھی انقلاب برپا کیا اور قدیم حکومتوں کے علی الرغم اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالی، اس کے باوجود اورنگ زیب عالمگیر کو کسی نے مغل حکومت کا بانی کہنے کی جرأت نہیں کی، مغل سلطنت کا بانی بابر ہی کہلایا اور یہی سچ اور حق ہے۔

ہم یہ سو بار تسلیم کرتے ہیں کہ معمار بانی نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کو بانی کہنے کی جرأت کسی نے کی ہے لیکن جس شخص نے اپنے مکان کا نقشہ تیار کر کے مکان تعمیر کیا ہے وہی اس کا بانی ہے، خواہ اس کی توسیع بار بار بعد میں آنے والے لوگوں نے کی ہو، سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانۂ کعبہ تعمیر کیا، بعد میں مسجد حرام کی توسیع ہوئی اور ہوتی ہی جارہی ہے، تو کیا اس توسیع کی بنیاد پر حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو خانہ کعبہ کا بانی نہیں کہا جائے گا۔

اداروں اور تحریکات کو فروغ اور وسعت دینے والے بانی اور محرک نہیں کہے جاتے مسجد نبوی کی اولین تعمیر نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے فرمائی، آپ کے بعد توسیعات کا سلسلہ شروع ہوا تو مسجد نبوی وسیع ترین مسجد بن گئی تو کیا بعد میں توسیع کرنے والے مسجد نبوی کے بانی ہو گئے؟ جی نہیں، بانی تو وہی ذات گرامی ہے جس نے مسجد کی تحریک کی اور مسجد کا بنیادی پتھر رکھا، اس لیے حضرت قاری صاحبؒ کا نقطۂ نظر قابل قبول نظر نہیں آتا، دنیا کے مورخین تو اسی شخصیت کو بانی قرار دیتے ہیں جس نے تحریک پیش کی ہو اور ادارہ کا سنگ بنیاد رکھا ہو۔

حضرت قاری صاحبؒ نے فرمایا کہ "حقیقی بنا وہ فکر و نظر اور وہ نصب العین ہے جس کے لیے کسی ادارہ کا آغاز کیا جائے" بجا فرمایا حضرت قاری صاحبؒ نے دار العلوم دیوبند کی تحریک

حضرت حاجی سید محمد عابد صاحبؒ نے پیش فرمائی اور اپنے فکر کے مطابق تعلیم کا انتظام کیا۔

دار العلوم کے قیام کا مقصد

حقیقت تو یہ ہے کہ دیوبند میں حضرت حاجی سید محمد عابد صاحبؒ کے مدرسہ قائم کا مقصد دین اسلام کی بقاء و ترویج ہی تھا، اس کے لیے پہلے سے کسی منصوبہ کا سراغ نہیں ملتا، حضرت حاجی صاحبؒ مسجد چھتہ کے ایک کمرہ میں ذکر واذکار میں مشغول رہا کرتے تھے، ایک چلہ میں حاجی صاحبؒ نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اس کی تفصیل حاجی نذیر احمد مرحوم ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> ''جب حضرت حاجی صاحب نے دوبارہ چلہ کرلیا تو ایک روز آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا صبح کو مولوی فضل الرحمٰن صاحب وغیرہ کو بلایا اور فرمایا کہ علم دین اٹھا جاتا ہے، کوئی تدبیر کرو کہ علم دین قائم رہے، جب پرانے عالم نہ رہیں گے تو کوئی مسئلہ بتانے والا بھی نہ رہے گا، جب سے دہلی کا مدرسہ گم ہوا ہے کوئی علم دین نہیں پڑھتا اس وقت سب صاحبوں نے عرض کیا کہ جو تدبیر آپ فرمائیں وہ ہم کو منظور ہے، آپ نے فرمایا چندہ کر کے مدرسہ قائم کرو اور کاغذ لے کر اپنا چندہ لکھ دیا اور روپئے بھی جمع کر دیئے''۔ (تذکرۃ العابدین، ص:۶۹)

یعنی مدرسہ الہامی ہے اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے کے مطابق اس کا آغاز ہوا، اس کا مقصد بالکل صاف اور سادہ الفاظ میں محرک اوّل نے یہی بیان فرمایا ہے کہ علم دین قائم رہے اور مسائل بتانے والے علماء پیدا ہوتے رہیں، یہی مدرسہ کا نصب العین اور فکر ونظر قرار پایا، اس کے پس منظر میں کوئی سیاست کارفرما تھی نہ ہی مدرسہ کا کوئی دوسرا مقصد تھا، اور اس کا بھی کچھ نشان نہیں ملتا کہ اس کے لیے کوئی منصوبہ بنایا گیا ہو، اس کے اغراض ومقاصد متعین کئے گئے ہوں بس ایک مقصد تھا، اسلام کا تحفظ اور علوم اسلامیہ کی تعلیم وترویج سو اس مقصد میں بانی کی نیت وارادہ کے مطابق صد فی صد کامیابی ہوئی اور اس ایک چراغ سے

ہزاروں چراغ جلے، یہ سلسلہ الحمدللہ آج بھی جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔

چناں چہ ہزاروں مدرسوں میں بھی یہی روح کارفرما ہے اور ہر مدرسہ اسلام کے تحفظ اور علوم اسلامیہ کی ترویج واشاعت میں مصروف عمل ہے، کسی مدرسہ کو سیاست اور سیاسی غلبہ سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

فخر کی بات

حضرت قاری صاحبؒ نے ایک ذیلی عنوان ''حضرت نانوتویؒ سے دارالعلوم کی نسبت'' کے تحت لکھا ہے کہ:

''سچ پوچھئے تو یہ کچھ حضرت ممدوح کے لیے فخر کی بات بھی نہیں کہ انھیں وقت کے ایک مقامی مدرسہ کے بانی یا مجوز کی حیثیت سے پیش کرنے کی سعی کی جائے۔ کیوں کہ ادارہ سے حضرت والا کی شخصیت نہیں بنی بلکہ آپ کے دور میں شرفِ مرکزیت وہ ادارہ پاسکتا تھا جسے آپ سے کوئی نسبت ہوجاتی اس لیے ظاہر ہے کہ دیوبند کے مدرسہ کی طرف آپ کو یا آپ کی طرف مدرسہ کو منسوب کرنے کی غرض یہ نہیں ہوسکتی کہ آپ کے مفاخر کی فہرست میں کوئی اضافہ کیا جائے''۔

(تاسیس، ص: ۱۳-۱۴)

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ کسی مقامی مدرسہ کا بانی ہونا کسی بلند قامت شخصیت کے لیے فخر کی بات نہیں ہے، وہ بھی آغاز کے موقعہ پر، لیکن جب کوئی مقامی مدرسہ عالمی ادارہ بن جائے تو بلاشبہ بانی ہونا فخر کی بات ہوگی، چناں چہ دارالعلوم نے جب ارتقائی منزلیں تیزی سے طے کرنا شروع کیں تو ایک بانی اور ایک مجوز کے بجائے کئی بانی اور مجوز سامنے لانے کی کوشش شروع ہوگئی اور ۱۳۲۰ھ سے صرف ایک بانی ہونے کی مہم چھیڑ دی گئی اور جو آج تک پوری قوت سے جاری ہے، اب تو بانیٔ دارالعلوم حضرت نانوتویؒ کے نام کا جزر ہوگیا ہے، اگر دارالعلوم کا بانی اور مجوز ہونا فخر کی بات نہیں ہے تو ایسا کیوں کیا جارہا ہے جب کہ منشی حاجی نذیر احمد کی تحریر کے

مطابق حضرت حاجی سید محمد عابدؒ ہی بانی اور مجوز ہیں۔

حضرت قاری صاحبؒ نے یہ لکھنے کے باوجود کہ کسی مقامی مدرسہ کا بانی ہونا حضرت نانوتویؒ کے لیے فخر کی بات نہیں ہے۔ حضرت کو بانی ثابت کرنے کے لیے پوری قلمی توانائی صرف کردی ہے، اس سلسلہ میں وہ تمام روایات پیش فرمائی ہیں جن سے حضرت کو بانی ثابت کرنے میں مدد مل سکتی ہو، چناں چہ سب سے پہلے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی روایت نقل کی گئی ہے ہم مولانا کی تحریر پہلے نقل کر چکے ہیں، اب دوبارہ وہ عبارت ملاحظہ فرمالیجیے۔

''یہی وہ زمانہ تھا کہ مدرسہ دیوبند کی بنیاد ڈالی گئی مولوی فضل الرحمٰن صاحب اور مولوی ذوالفقار صاحب اور حاجی محمد عابد صاحب نے یہ تجویز کی کہ ایک مدرسہ دیوبند میں قائم کریں، مدرس کے لیے تنخواہ پندرہ روپے تجویز ہوئے'' (سوانح عمری، ص:۳۹)

حضرت قاری صاحبؒ نے اس روایت کے بعد جناب منشی فضل حق مرحوم مہتمم ثالث دارالعلوم دیوبند کی روایت سوانح مخطوطہ سے نقل کی ہے جو قاری صاحب کی روایت کے مطابق خزانہ دارالعلوم میں محفوظ ہے۔ تحریر کے الفاظ یہ ہیں:

''مدرسہ اسلامیہ دیوبند کی بنا اوّل آپ نے (حاجی محمد عابد صاحب نے) ڈالی تھی اور آپ ہی اس کے مربی وسرپرست ہیں.... مختصر کیفیت اس کی (بنا مدرسہ کی) جو لطف سے خالی نہیں عرض کرتا ہوں، سب سے پہلے مولوی فضل الرحمٰن صاحب دیوبندی سلمہ اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کے محرک ہوئے اور چند بار آپ کی (حاجی محمد عابد صاحب کی) خدمت میں حاضر ہوکر درخواست کی کہ اگر ایک مدرسہ علم دین کا جاری کیا جاوے تو خالی نفع سے نہ ہوگا''۔ (سوانح مخطوطہ)

اس روایت کے بعد حضرت قاری صاحبؒ نے تذکرۃ العابدین کی روایت نقل کی ہے، جس کو ہم ابھی نقل کرآئے ہیں، اس لیے دوبارہ نقل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے، ہاں ان تینوں روایات کو سامنے رکھنے کے بعد بطور نتیجہ یہ بات بالکل عیاں ہوکر سامنے آجاتی ہے کہ بانی مدرسہ تو اصلاً حضرت حاجی صاحبؒ ہیں، تذکرۃ العابدین اور سوانح مخطوطہ نیز سوانح عمری

میں یہی بات دہرائی گئی ہے البتہ معاونین اور صلاح ومشورہ دینے والے متعدد حضرات ہیں، اور یہ وہی اہل الرائے ہیں جن کو حاجی صاحب نے پہلے پہل بلایا تھا اور مدرسہ کی تجویز سامنے رکھی تھی۔ ان حضرات میں مولانا فضل الرحمٰن عثمانی زیادہ سرگرم رہے اس لیے سوانح مخطوطہ کے مصنف منشی فضل حق صاحب نے مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو محرک اوّل قرار دے دیا جب کہ مدرسہ کی تجویز الہامی ہے، یہ الہام بھی اسی شخصیت کو ہوا جو دیوبند اور اطراف دیوبند میں سب سے زیادہ مقبول اور ہر دل عزیز تھی، صرف مسلمانوں میں نہیں غیر مسلموں میں بھی، اس موقعہ پر دیگر اہل مشورہ کے بارے میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ حضرات، حضرت حاجی سید محمد عابد صاحب کو نظر انداز کر کے کوئی کام نہیں کر سکتے تھے، یہی وجہ ہے کہ تحریک وتجویز کے بعد بار بار مولانا فضل الرحمٰن صاحب حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے، اسی بار بار کی حاضری کی وجہ سے ہوسکتا ہے مصنف مخطوطہ نے محرک کہہ دیا ہو۔

ہم یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ دارالعلوم دیوبند کی روداد کی روشنی میں کہہ رہے ہیں، جس میں حضرت حاجی صاحبؒ کو اصل اصول (بانی مبانی) لکھا گیا ہے، ہم سوانح قاسمی کے حوالہ سے عبارت پہلے نقل کر آئے ہیں، اب ملاحظہ فرمایئے حضرت قاری صاحبؒ کی نقل کردہ چوتھی روایت۔ اس روایت پر جو الفاظ قاری صاحب نے تحریر فرمائے ہیں ہم عنوان سمیت پیش کر رہے ہیں۔

حضرت حاجی امداداللہ صاحب قدس سرہ کی روایت

حضرت اقدس حاجی امداداللہ قدس سرہ اجرار مدرسہ کو تین افراد کی سعی کا ثمرہ ظاہر فرما رہے ہیں۔ حضرت نانوتویؒ، حضرت حاجی عابد حسین صاحب اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ، چناں چہ حکیم الامت مولانا تھانویؒ اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اب اس مضمون کو ایک عظیم اور مقدس بشارت وعلامت مقبولیت پر ختم کرتا ہوں، اور وہ بشارت حضرت سیدی ومرشدی الحاج الحافظ الشاہ محمد امداداللہ قدس سرہ کا

ایک ملفوظ ہے جو مجموعہ مکتوبات کے مکتوبات ہیج دہم (۱۸) بنام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب و حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کا ایک جزء ہے جو ابتدار مدرسہ کے وقت صادر ہوا ہے"۔

(ملفوظ) از اجرائے مدرسۂ علم دین بسعی آں عزیزاں و عزیزم حافظ عابد حسین صاحب چہ خوشی بارو نمود کہ بیان نمی آید۔ (القاسم دار العلوم نمبر ۳۰ محرم ۱۳۴۷ھ)

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کے اس ملفوظ کا صحیح مفہوم اسی وقت سامنے آسکتا ہے جب مدرسہ کی ابتدائی تاریخ بھی پیش نظر ہو، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب" اجرار مدرسہ کے وقت میرٹھ کے چھاپہ خانہ میں ملازم تھے، اور حضرت نانوتوی" بھی اسی مطبع میں تصحیح کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ مدرسہ کو جب مدرسین کے اضافہ کی ضرورت محسوس ہوئی، اس وقت صدر مدرس کی حیثیت سے بلائے گئے، اس لیے بلا تکلف کہا جاسکتا ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب" کے ارشاد گرامی کا مقصد بانیٔ مدرسہ نہیں کہ ان تینوں بزرگوں نے مشترکہ طور پر دار العلوم کی بنیاد ڈالی، بلکہ اس کا سادہ سا اور سامنے کا مفہوم ہے کہ تینوں حضرات کی محنتوں سے مدرسہ کو فروغ حاصل ہو رہا ہے اس سے بے حد خوشی ہے، حضرت مہاجر مکی" کے ارشاد کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ تینوں بانیٔ مدرسہ ہیں۔ ہاں تینوں کی جدوجہد اور مساعی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب" مہاجر مکی کے اس مذکور ملفوظ کو سامنے رکھ کر جب حضرت مہاجر مکی کا یہ ملفوظ جو درج ذیل ہے پڑھا جاتا ہے تو بیان کردہ مفہوم ہی کی تائید ہوتی ہے۔ مکتوب پنجاہ و ہفتم حضرت حاجی محمد عابد حسین صاحب" کے نام ہے، مکتوب گرامی طویل ہے اس لیے مدرسہ سے متعلق جملہ ہی نقل کرنے پر اکتفار کرتا ہوں ارشاد ہوا ہے کہ:

"و خاطر داری و دلجوئی مولوی محمد یعقوب صاحب برخود لازم گیرند کہ بہ ظاہر وجود مدرسہ بر موجودگی ہم چنیں بزرگانست و باہم یک دیگر محبت و الفت دارند و رنجش وملال را راہ ندہند" (مکتوب پنجاہ و ہفتم، مرقومات امدادیہ، ص:۳۱۹)

ترجمہ: مولوی محمد یعقوب صاحب کی خاطر داری اور دل جوئی اپنے اوپر

لازم کرلیں، بہ ظاہر مدرسہ کا وجود ایسے ہی بزرگوں کی موجودگی سے ہے، اور باہم ایک دوسرے سے محبت والفت رکھیں اور رنج وملال کو راہ نہ دیں۔

اس مکتوب گرامی کے تناظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ ماتحت ہیں، اس لیے ان کی خاطر داری اور دل جوئی کی تاکید کی جارہی ہے، ورنہ اسلوب تحریر کچھ اور ہی ہوتا، پہلے ملفوظ کو سامنے رکھ کر بانی کا مفہوم پیدا کرنا اس مکتوب کے تناظر میں مغالطہ معلوم ہوتا ہے، جہاں تک مدرسہ کو ترقی دینے اور اس کو سنبھالنے کی بات ہے، آپ کو یاد ہوگا کہ حضرت حاجی محمد عابد حسین صاحبؒ جب مدینہ منورہ کے قصد وارادہ سے تشریف لے گئے تھے، اس وقت ارکانِ شوریٰ نے حضرت حاجی صاحب کی مفارقت کو حادثۂ فخیم قرار دیا تھا اور وہاں ایک سال قیام کے بعد غیبی اشارہ کے مطابق حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے بیعت ہوئے اور حضرت مہاجر مکی کے حکم سے دیوبند تشریف لائے وہ بھی مدرسہ کے حوالے سے کہ اس کی خدمت مدینہ منورہ میں قیام سے افضل ہے، اس کی تائید دیوبند تشریف آوری کے بعد ایک خواب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ جب حضرت حاجی سید محمد عابد حسین صاحبؒ نے اپنے پیرومرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کو بہم پہنچائی تو حضرت پیرومرشد نے اظہار مسرت کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:

> ''میں تو آپ کی خدمت میں پہلے ہی عرض کیا تھا کہ تمہارے حق میں ہند رہنا اور مدرسہ علم دینی کی سعی اور کوشش کرنی مکہ مدینہ کے رہنے سے افضل ہے، مگر الحمد للہ وہاں جاکر بھی آپ کو یہی حکم ہوا، سو اب تمہارے واسطے یہی مناسب اور بہتر ہے کہ جس میں اللہ اور رسول کی مرضی پائی جاوے وہ کام کرو اور اپنے ارادہ کو اس کی رضامندی میں فنا کرو'' (مکتوب سی وہشتم مرقومات امدادیہ، ص:۲۸۱)

حضرت مہاجر مکیؒ کے مکتوب گرامی سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حاجی سید محمد عابد حسین صاحبؒ دارالعلوم کے اصل اصول اور اہم ترین فرد تھے، ان کے بغیر دارالعلوم کا ارتقاء مشکل تھا، یہی دارالعلوم کی مجلس شوریٰ نے اس وقت محسوس کیا تھا، جب حضرت حاجی صاحبؒ

مدینہ منورہ میں قیام کے قصد وارادہ سے دیوبند سے نکلے تھے دارالعلوم کی روداد کے الفاظ دوبارہ ملاحظہ فرمائیں۔

"بنیاد مدرسہ از بیخ کندہ ہو جاتی تو عجب نہ تھا" (بحوالہ سوانح قاسمی، جلد دوم، ص:۲۶۸)

دارالعلوم کی مجلس شوریٰ نے حضرت حاجی صاحب کے بارے میں جو تاثرات واحساسات پیش کئے وہ بجائے خود آپ کے اصل اصول ہونے کا آئینہ ہیں، پھر دارالعلوم سے متعلق سب سے قدیم کتاب "الہدیۃ السنیہ" کی عبارت بھی اسی نظریہ کی تائید کرتی ہے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے "الہدیۃ السنیہ" کی تحریر کے لیے جو عنوان قائم کیا ہے، ذیل میں عنوان سمیت پوری عبارت پیش خدمت ہے۔

حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب اور انکے معاصرین کی روایت

"(۵) حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب اپنی کتاب "الہدیۃ السنیہ" میں (جو عربی زبان میں دیوبند، مدرسہ دیوبند اور منتسبین مدرسہ کے حالات پر مشتمل ۱۳۰۷ھ میں لکھی گئی ہے صرف حاجی محمد عابد صاحب کو بانی مدرسہ ظاہر فرما رہے ہیں جس کا ترجمہ اور ماحصل اردو زبان میں یہ ہے کہ:

جب اللہ تعالیٰ شانہ وعز سلطانہ نے ان دیار کی خیر کا ارادہ فرمایا تو سید جلیل ذی نسب عالی، فخر امثال وامجاد سید اجل محمد عابد ادامہ اللہ وابقاہ کو اس مدرسہ کی تاسیس کا الہام فرمایا جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی" (الہدیۃ السنیہ، ص:۲)

تذکرۃ العابدین اور الہدیۃ السنیہ کے مصنفین حضرت حاجی صاحب کے موسس ہونے پر متفق ہیں، یہ دونوں قدیم ماخذ ہیں اور دونوں دارالعلوم کی تاسیس کو الہامی قرار دے رہے ہیں اور کسی شخصیت کے بارے میں انھوں نے اشارہ تک نہیں کیا اور نہ ہی کسی کا الہام منظر عام پر آیا، اس لیے یہ تسلیم کر لینے میں ذرا بھی تامل نہیں ہونا چاہیے کہ حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ ہی

دارالعلوم کے بانی ہیں۔

شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند نے ابھی حال میں ''الہدایۃ السنیۃ فی ذکر المدرسۃ الاسلامیۃ الدیوبندیۃ'' کا اردو ترجمہ شائع کیا ہے اس کے صفحہ۴ پر مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی طرف سے دو صفحات پر مشتمل ''حرف اوّل'' لکھا گیا ہے۔ صفحہ/۵ پر یہ عبارت ہے کہ:

> ''فاضل مؤلف کے مطابق مدرسہ قائم کرنے کا سب سے پہلے القا حضرت حاجی صاحبؒ کے قلب صافی پر ہوا، کام معمولی نہیں تھا، اہم تھا۔ خاص طور سے اس خطرناک دور میں تاہم حضرت حاجی عابد حسین صاحبؒ نے باہمی مشورہ کے بعد اس القائی خیال کو عملی شکل دینے کا عزم مصمم کرلیا اور تن تنہا چندہ کی فراہمی بھی شروع کردی، اس دور میں مدارس کے اخراجات کے لیے چندہ کا رواج نہیں تھا، حکومتیں ان کے لیے جاگیریں وقف کیا کرتی تھیں انگریزوں نے ایسے تمام اوقاف ضبط کرلیے تھے، اب مدارس کے نظام کو چلانے کے لیے سب سے بہتر طریقہ وہی تھا جس پر حاجی صاحبؒ نے عمل کیا اور آج تک کامیابی کے ساتھ اسی پر عمل ہورہا ہے۔
>
> دارالعلوم دیوبند ایک القائی خیال کے تحت وجود میں آیا تھا جسے مخلصین کی ایک جماعت نے ہمہ تن جدوجہد کرکے آگے بڑھایا۔ تاریخ کے مطابق ان پاکبازوں میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا اہم کردار رہا، انہی کی صحیح فکر اور کوششوں سے یہ ادارہ مضبوط اور وسیع ہوتا چلا گیا جس کے علمی پھولوں کی خوشبو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچ رہی ہے''۔ (دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی نقوش، ص:۵)

اس صاف اور بے غبار عبارت پر کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے جس میں صریح الفاظ میں لکھا گیا ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ ہی دارالعلوم کے قیام کے محرک اوّل اور مجوز اوّل ہیں، ان سے پہلے کسی کے ذہن میں قیام مدرسہ کا تصور بھی نہیں تھا آپ نے ہی چند مخلصین اہل علم کے سامنے اپنے القا کا اظہار فرمایا ان حضرات نے اس عظیم الشان پاکیزہ خیال کی تائید فرمائی۔

اور حضرت حاجی صاحبؒ نے اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے چندہ کیا۔

ان چندہ دہندگان میں مصنف کتاب مولانا ذوالفقار علی صاحب نے بھی بارہ روپے دیئے تھے اور آخر تک دارالعلوم کی تعمیر وتشکیل اور توسیع سے خود کو وابستہ رکھا چالیس سال تک دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے اساسی رکن رہے۔

مترجم کتاب نے حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ کے تعارف میں ص:۱۳، پر لکھا ہے کہ قیام دارالعلوم کا اوّلین تصور حضرت حاجی صاحبؒ نے پیش فرمایا اور قیام مدرسہ کی تحریک میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ شامل ہوئے اور اس کو فروغ دینے میں بے مثال جدوجہد فرمائی، ص:۱۶، پر مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ کا یہ فقرہ ہے کہ:

"باحیار ومتقی وپرہیزگار، سخی ودین ودانا رشک زمانہ شخصیت الحاج سید محمد عابد حسین صاحبؒ (اللہ تعالیٰ انھیں عمر نوح عطا کرے اور تاابد ان کی تمام آرزوؤں کی تکمیل فرمائے) کے دل میں اس مدرسے کے قیام کا خیال القا فرمایا جس کی بنیاد اخلاص وتقویٰ پر رکھی گئی، اگرچہ حالات نامساعد تھے اور زمانے کے تیور بدلے ہوئے تھے"۔

صفحہ ۱۷ پر ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں:

"چناں چہ سید صاحبؒ نے ۱۲۸۲ھ میں اہل خیر حضرات کو اس کار ثواب میں تعاون اور اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کی مبارک دعوت دی، تو انھوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا، بس کیا تھا مدرسہ آپ کی کوششوں کے نتیجے میں علم واہل علم کا گہوارہ ارباب فضل وکمال کا مرکز، دین اور دینداروں کی پناہ گاہ بن گیا، اس میں کیا تعجب کی بات ہے کہ یہ سعادت آپ کے حصے میں آئی، آپ تو خاندان نبوت کے چشم وچراغ ہیں، ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء"

اس صراحت کے باوجود فاضل مترجم نے صفحہ ۱۶ ر کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ آپ دارالعلوم دیوبند کے معمار اوّلین میں سے ہیں" اس جملہ نے یہ سوال کھڑا کر دیا ہے کہ دیگر معمار کون تھے؟ جن میں ایک حضرت حاجی صاحبؒ بھی تھے، معلوم ہوتا ہے کہ مترجم کا نقطۂ نظر

مصنف کتاب کی صراحت کے خلاف ہے، لیکن دعویٰ بلا ثبوت ہے اس کی وضاحت ضروری تھی اس نقطہ نظر کو لے کر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے بانیین کا مفروضہ قائم کر کے حضرت نانوتویؒ کو بانیٔ اعظم تسلیم کرانے کی جدوجہد فرمائی ہے اور خوب خوب نکتہ آفرینیاں کی ہیں جو تاریخی صداقت کو منہ چڑاتی ہیں۔

اسی کتاب کے صفحہ ۱۸ر پر حضرت مولانا نانوتویؒ کا ذکر خیر ہے، اس کا پہلا جملہ یہ ہے کہ ''اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو مدرسہ کے استحکام اور اسلامی علوم کی نشاۃ ثانیہ کے لیے منتخب فرمایا'' اس فقرہ میں بھی صراحت موجود ہے کہ قیام مدرسہ کے بعد حضرت نانوتویؒ میدان عمل میں اترے چناں چہ صفحہ ۲۰ر پر واشگاف الفاظ میں اس حقیقت کو اس طرح واضح کیا گیا ہے۔

''چناں چہ آپ نے سید عابد صاحبؒ کے طائر خیال کو بال و پر لگائے تو بس اب کیا تھا گلستان علم میں بہار آ گئی''

اس سے کسی حقیقت پسند کو انکار نہیں ہے کہ حضرت نانوتویؒ نے مدرسہ میں شمولیت اختیار فرما کر چمنستان علم وفن میں برگ و بار پیدا کیا۔ نقطۂ اعتراض بانی ہونے کا ہے کہ حضرت نانوتویؒ دارالعلوم دیوبند کے بانی اور محرک اوّل نہیں تھے، حیرت کی بات ہے کہ اس کے باوجود فاضل مترجم نے حاشیہ میں یہ لکھا ہے کہ:

''آپ تحریک قیام مدارس کے سرخیل تھے، دارالعلوم دیوبند قائم کرنے والی جماعت کے سربراہ اور اہم رکن تھے''۔

کیا فاضل مترجم اپنی اس عبارت سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت نانوتویؒ کی سربراہی میں دارالعلوم کا قیام عمل میں آیا، اگر ایسا ہی ہے تو مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ کے بیان کی تصدیق کے بجائے تکذیب ہوتی ہے، مترجم کو مصنف کے زاویہ نگاہ اور بیان سے اختلاف کی گنجائش ہے لیکن اختلاف کے لیے مضبوط شواہد کی ضرورت ہوتی ہے وہ مترجم نے پیش نہیں کیے پھر فاضل مصنف نے جو کچھ لکھا ہے وہ شنیدہ نہیں دیدہ ہے، بعد کے تذکرہ نگار تو

کتابوں کو ہی اپنا مرجع بنائیں گے، اگر اسی دور کے تذکرہ نگار اس سے اختلاف کریں تو دیکھنا پڑے گا کہ کس تذکرہ نگار کی صاحبِ تذکرہ سے براہ راست ملاقات ثابت ہے یا نہیں؟ اور کس حد تک؟ حقیقت یہ ہے کہ مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ کے معاصرین نے حضرت الحاج الحافظ سید محمد عابد صاحبؒ کو ہی دار العلوم دیو بند کا محرک اوّل، مجوز اوّل اور بانی لکھا ہے۔ اس لیے تاریخی صداقت کا تقاضا ہے کہ تاریخ صاف الفاظ میں بیان کی جائے ایسے الفاظ استعمال نہ کئے جائیں جو غلط فہمی پیدا کرتے ہوں، دار العلوم دیو بند کے قیام اور فروغ کے لیے جو کمیٹی حضرت حاجی صاحبؒ نے تشکیل کی تھی اس کے ایک ممبر مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ کے ساتھ حضرت نانوتویؒ بھی تھے، دار العلوم کی مجلس شوریٰ کے سر براہ حضرت حاجی صاحب تھے کوئی دوسرا سر براہ نہیں تھا۔

حضرت قاری صاحبؒ نے مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ کی روایت نقل کرنے کے بعد نمبر ۶، دے کر یہ تحریر فرمایا ہے کہ:

> (۶) اسی کی تائید ذیل کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت گنگوہی اور ان کے ساتھ مولانا حکیم ضیاء الدین رامپوری، مولانا ذوالفقار علی صاحب دیو بندی، مولانا فضل الرحمٰن صاحب دیو بندی، حکیم مشتاق احمد صاحب دیو بندی، ممبران مدرسہ سب مل کر حاجی محمد عابد صاحب ہی کو بانی و مجوز مدرسہ قرار دے رہے ہیں چناں چہ چھ بزرگوں کے دستخطوں سے ۲۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۶ھ کو مولانا رفیع الدین صاحبؒ کے حج کو جانے کے موقعہ پر ایک اشتہار شائع کیا گیا جس میں حاجی محمد عابد صاحب کو دوبارہ مہتمم مدرسہ بنا دیئے جانے کا اعلان کیا گیا ہے اسی اشتہار کی عبارت کا متعلقہ ٹکڑا یہ ہے۔
>
> ''ناچار بجز اس تدبیر کے کوئی چارہ نہ بن پڑا کہ سب مجتمع ہو کر بخدمت بابرکت حضرت سید محمد عابد صاحب دامت برکاتہم (بانی و مجوز اوّل مدرسہ ہذا) وحال سر پرست و سر آمد ارباب شوریٰ حاضر ہوں الخ''۔
>
> (اشتہار مطبوعہ و محفوظ بدار العلوم۔ تاسیس، ص:۱۹)

حضرت قاری صاحبؒ نے اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد قوسین کی عبارت پر شبہ ظاہر فرمایا ہے کہ الحاقی ہو، اس کے بعد یہ بھی فرمایا کہ تاسیس کو حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب نے اپنی کتاب ہدیہ سنیہ میں حضرت حاجی صاحب کی طرف منسوب کیا ہے اس لیے اس شبہ کو نظر انداز کر دیا گیا گو شبہ کا محل کافی موجود ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت قاری صاحب کو قوسین کی عبارت تسلیم نہیں ہے اور مشکوک الصحۃ ہے، لیکن غور وفکر کے باوجود مشکوک ہونے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، کیوں کہ اشتہار مطبوعہ ہے، ارباب شوریٰ نے جس طرح مطبع کے سپرد کیا اسی کے مطابق مطبع نے چھاپ دیا، یہ اشتہار ممبران مدرسہ کے علاوہ نہ جانے کتنے حضرات کی نظر سے گزرا ہوگا۔ اشتہار تو اسی لیے ہوتا ہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کے علم میں یہ بات آجائے، ضابطہ کے مطابق دارالعلوم نے اس اشتہار کو محفوظ بھی رکھا اگر مجلس شوریٰ کے ارکان میں سے کسی کو حضرت حاجی سید محمد عابد حسین صاحب کے بانی ومجوز اوّل ہونے پر شبہ واعتراض ہوتا تو اس عبارت کو الحاقی کہہ کر رد فرما دیتے یا حاجی صاحب کا کوئی معاند ومخالف ہی اس کے خلاف کوئی اشتہار شائع کر دیتا لیکن یہ سچائی اس قدر ذائع وشائع تھی کہ اس کی مخالفت نہیں کی جاسکتی تھی، اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ محدث وفقیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ مشکوک الصحۃ بات کو کیسے تسلیم فرما لیتے، کسی نہ کسی موقعہ پر اس کا اظہار کر دیتے اور کہیں اظہار نہ ہو مجلس شوریٰ کے جلسہ میں اس پر نکیر ضرور کرتے لیکن کسی کی طرف سے کوئی تحریر ایسی نہیں ملتی جو حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ کی مخالفت میں ہو اس لیے حضرت قاری صاحبؒ کا یہ فرمانا کہ ''شبہ کا محل کافی موجود ہے'' بے بنیاد ہے۔

حیدرآباد کمیٹی کی رپورٹ

اس عنوان کے تحت حضرت قاری صاحبؒ نے ساتویں روایت پیش کی ہے، ہم پوری عبارت آں محترم کے الفاظ میں نقل کر رہے ہیں:

''حیدرآباد دکن کی ایک کارکن کمیٹی نے ۱۳۱۲ھ کے نزاع کے موقعہ پر دارالعلوم

کی تائید وحمایت کرتے ہوئے اپنی جو رپورٹ مرسوم بہ ''تذکرہ'' بتوسط مہتمم وقت مولانا محمد منیر صاحب نانوتویؒ مجلس شوریٰ دیوبند کو بھیجی ہے اس میں وہ بانی مدرسہ اور محرک ومجوز حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہی کو قرار دے رہی ہے، جس کا ایک جملہ یہ ہے۔

مجلس بعد جلسہ کامل عرض کرتی ہے کہ بانیان اور محرک اعظم اس (مدرسہ) کے دو نفس نفیس تھے، ایک مولوی محمد قاسم صاحبؒ اور دوسرے جناب مولوی رشید احمد گنگوہی مدفیوضہم''۔ (تذکرہ، ص:۲۰، بحوالہ تاسیس، ص:۲۰)

''تذکرہ'' صفحات ۴۴ر کے مرتب مولانا نواب محی الدین خاں صاحب رئیس مراداباد ہیں، ان کو حضرت نانوتویؒ سے شرفِ تلمذ حاصل تھا جس وقت ''تذکرہ'' لکھا گیا اس وقت ان کے صاحبزدے بھی دارالعلوم کے طالب علم تھے اپنے بیٹے کی خبر گیری کے لیے نواب صاحب مرحوم دیوبند آیا کرتے تھے، ''تذکرہ'' ۱۳۱۲ھ میں مطبع مجتبائی دہلی میں طبع ہوا۔

''تذکرہ'' میں بار بار حضرت نانوتویؒ کا ذکر خیر آیا ہے، صفحہ دو پر ایک جگہ حضرت نانوتویؒ کو مربی وسرپرست اول لکھا گیا ہے اور صرف ''مربی'' متعدد مقامات پر ہے اسی صفحہ پر یہ عبارت بھی موجود ہے کہ:

''اور بالخصوص اس سبب سے اور بھی زیادہ رنج والم تھا کہ یہ بنیاد حضرت اقدس مولانا استاذ حجۃ الاسلام کی قائم کی ہوئی ہے، اسی صفحہ پر حاجی صاحب کو اعلیٰ درجہ کا رکن مدرسہ لکھا گیا ہے، صفحہ ۷ پر مصلح کمیٹی مدرسہ عربیہ دیوبند کا اشتہار نقل کیا گیا ہے اس میں حضرت حاجی صاحبؒ کو بانی مبانی اور سرپرست لکھا گیا ہے۔

''تذکرہ'' کے صفحہ ۹ سے منتظمان مدرسہ دیوبند کی مرتب کردہ کیفیت نقل کی گئی ہے جو ۲۹ر اکتوبر ۱۸۹۴ء کو مجمع میں پڑھ کر سنائی گئی تھی، اس کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

''لہٰذا چند اشخاص کے دل میں آیا کہ ایک مدرسہ بمقام دیوبند ایسا جاری ہو جس میں خالص علوم دین کی تعلیم عمدہ طور سے ہوا کرے چناں چہ انھوں نے جمع ہوکر ۱۹ر محرم الحرام ۱۲۸۳ھ کو ایک اشتہار دیا اس مضمون کا کہ بمقام دیوبند ضلع سہارنپور اکثر

اہل ہمت نے چندہ جمع کر کے ۱۵رمحرم الحرام ۱۲۸۳ھ سے ایک مدرسہ عربی جاری کیا ہے اور ایک عربی مدرس بمشاہرہ ۱۵ ماہوار مقرر کیا ہے اور کسی قدر چندہ واسطے خوراک طلبہ برونجات کے بھی کیا گیا ہے، چوں کہ یہ کام بڑا ہے اور محتاج امداد کا ہے، لہٰذا جو صاحب چندہ بھیجیں تو بنام مہتممان ذیل روانہ فرمائیں۔

حاجی عابد حسین صاحب، مولوی محمد قاسم صاحب، مولوی مہتاب علی صاحب، مولوی ذوالفقار علی صاحب، مولوی فضل الرحمٰن صاحب، منشی فضل حق صاحب، شیخ نہال احمد صاحب''۔

اس عبارت میں حضرت حاجی صاحبؒ کے خواب کا ذکر ہے نہ مولانا ذوالفقار علی صاحب وغیرہ کو بلا کر خواب بیان کرتے نیز علوم اسلامیہ کی اشاعت وترویج کی فکر مندی کا، بلکہ یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ مدرسہ کا قیام چند اشخاص کی فکر مندی سے عمل میں آیا، اس سے کس کو انکار ہوسکتا ہے؟ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ اشخاص اتفاقی طور پر جمع ہو گئے تھے یا کسی نے ان حضرات کو دعوت دی تھی، ظاہر ہے کہ کوئی داعی ضرور تھا جس کی دعوت پر ان اشخاص نے لبیک کہا، وہ داعی تھے حضرت الحاج الحافظ سید محمد عابد صاحبؒ پہلے حضرت نے علوم اسلامیہ کے تعلق سے فکر مندی اور اضطراب کا اظہار فرمایا اور پھر اپنا خواب بیان فرمایا جن اہل علم کو حضرت حاجی صاحبؒ نے مدعو کیا تھا انھوں نے حضرت حاجی صاحبؒ کے خیال کی تائید کی اسی مجلس میں حاجی صاحب نے اپنا پہلا چندہ پیش فرمایا اور چندہ کی تحریک کی۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا اتفاق تذکرہ عبارت سے نہیں ہے کہ چند اشخاص نے بیٹھ کر اجرائے مدرسہ کا مسودہ تیار کیا ہو، حضرت قاری صاحبؒ کے الفاظ یہ ہیں:

''دارالعلوم دیوبند کا اجراء عام موجودہ طریقہ پر نہیں ہوا کہ چند افراد نے بیٹھ کر مسودہ تیار کیا ہو کہ ایک مدرسہ قائم کر دیا جائے اور مجموعی رائے سے مدرسہ قائم کر دیا گیا ہو، یہ مدرسہ بالہام قائم کیا گیا ہے'' (الرشید دارالعلوم نمبر ۱۹۷۶، ص: ۱۳۷)

اس عبارت کی تائید الہدیۃ السنیۃ اور تذکرۃ العابدین سے بھی ہوتی ہے۔ بلکہ حضرت

قاری صاحبؒ نے الہدیۃ السنیہ ،تذکرہ العابدین اور مخطوطہ سے استفادہ فرما کر اس حقیقت کو بیان کیا ہے، لیکن مقام حیرت ہے کہ تذکرہ میں متعدد مہتمان کے اسماء گرامی درج کئے گئے ہیں۔حالاں کہ مہتمم اور سرپرست تو حضرت حاجی صاحبؒ تھے دارالعلوم دیوبند کی ابتدائی تاریخ یہی باور کراتی ہے۔

پھر اسی تذکرہ کے ص ۱۰ پر یہ بھی لکھا گیا ہے کہ اول چند سال تلک جناب حاجی محمد عابد صاحبؒ اور پھر عرصہ دراز تلک جناب مولوی رفیع الدین صاحب مہتمم رہے، تذکرہ کی عبارت جو صفحہ ۹ سے نقل کی گئی ہے اس میں ۱۹ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ کو اشتہار دینے کی بات کہی گئی ہے اسی اشتہار میں مہتمان کے اسماء گرامی بھی مذکور ہیں، یہ تضاد بیانی ناقابل فہم ہے حقیقت یہی ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ ہی مہتمم اور سرپرست تھے۔چوں کہ لفظ مہتمان ایسا لفظ تھا جو بہت سی غلط فہمیوں کو جنم دے سکتا تھا اس کے ازالہ کے لیے یہ تاویل کی گئی کہ۔

> ”مضمون اشتہار سے صاف ظاہر ہے کہ بوقت اجرائے مدرسہ کسی خاص شخص کی تحقیق در باب اجرائے مدرسہ نہ تھی، نہ کسی کو اپنی نام آوری منظور تھی کہ مدرسہ کو اپنی طرف منسوب کرتا البتہ منجملہ مہتمان کے جن لوگوں کی بزرگی اور تقدس مسلم اور ذہن نشین تھا اس ترقی اور فتوحات کو انھیں کی برکات کا نتیجہ سمجھا جاتا تھا اور بسبب کمال للّٰہیت اور اخلاص کے ہمیشہ ایک دوسرے کو اس کا باعث اور سبب رونق کہتے رہے اور باوجودیکہ تمام دور ونزدیک اور خود منتظمان مدرسہ کو یقینی طور سے معلوم تھا کہ مولانا مولوی محمد قاسم صاحبؒ اس مدرسہ کے استحکام اور ترقی کے باعث ہوئے، تاہم ان کو یا دیگر بزرگوں کو کبھی یہ خیال بھی نہیں ہوا کہ مدرسہ کو اپنی طرف منسوب کریں“۔(تذکرہ،ص:۱۰)

انتساب کی کہانی تو اس وقت شروع کی گئی جب دارالعلوم دیوبند بام عروج تک پہنچ گیا تھا اور اس عظیم الشان ادارہ کو تاریخ سے منہ موڑ کر حضرت حاجی صاحبؒ کے بجائے حضرت نانوتویؒ کی طرف منسوب کیا جانے لگا، اس کی ایک جھلک مذکور تحریر میں بھی نظر آتی ہے جو تضاد کا شکار ہے، بھلا اس سے کس کو انکار ہے کہ حضرت نانوتویؒ نے دارالعلوم کو استحکام اور ترقی دینے

کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف نہیں کی تھیں لیکن مدرسہ کا اجرا، حضرت حاجی صاحب نے اپنے معاونین کے تعاون سے کیا تھا یہی سچ اور حق ہے۔

''تذکرہ'' جس کی اشاعت ۱۳۱۲ھ میں ہوئی ہے یہ کتاب مفت تقسیم کی گئی اسی میں دارالعلوم دیو بند کی مجلس منتظمہ کی رپورٹ جو ۲۹؍اکتوبر ۱۸۹۴ء کو مجمع میں سنائی گئی تھی یہ عبارت بھی موجود ہے کہ:

''چناں چہ حاجی صاحبؒ نے بھی اپنی کسی تحریر میں ایسا فرمایا کہ اصل اعلیٰ مرحوم (یعنی مولوی محمد قاسم صاحبؒ) کا ہمیشہ یہ خیال رہا کہ جن لوگوں کے ساتھ دنیا کی قضایا باہمی لگے ہوئے ہیں ان کا معاملات مدرسہ میں دخیل ہونا باعث خرابی مدرسہ ہوگا۔

پس اہل مشورہ خصوصاً جناب سرپرست صاحب اور نیز حاجی صاحب کا اس وقت بے خوف زیادتی شوریٰ کو پسند نہ کرنا صرف اسی وجہ سے ہے نہ کسی ذاتی غرض سے'' (تذکرہ،ص:۱۸)

حضرت حاجی صاحبؒ کی طرف یہ جو تحریر منسوب کی گئی ہے اس میں ''کسی'' نے تحریر کو ناقابل اعتبار بنا دیا ہے، اس لیے اس پر تبصرہ بے سود ہے، اسی ''تذکرہ'' میں ص ۱۹ اور ص ۲۰ پر کمیٹی حیدرآباد دکن کی تجاویز شائع کی گئی ہیں۔ پہلی کارروائی میں حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کو مدرسہ کا ابتدائی بانی اور محرک اعظم لکھا گیا ہے اور دوسری کارروائی میں بھی یہی بات لکھی گئی ہے جس کو حضرت قاری صاحبؒ نے بانی کے ثبوت کے لیے پیش فرمایا ہے۔ یہ کمیٹی حیدرآباد دکن کے چند حضرات نے دارالعلوم دیو بند کو مالی تعاون فراہم کرنے کے لیے تشکیل تھی، اس مجلس کا کوئی رکن ۱۳۱۲ھ کے نزاع کی تحقیق کے لیے دیو بند نہیں آیا، مجلس کو اخبارات کے ذریعہ اس نزاع کا علم ہوا نیز دیگر قرائن سے بھی، اس کے باوجود کسی رکن نے دیو بند آنے کی زحمت نہیں اٹھائی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے بھی مجلس کا کوئی رکن دیو بند نہیں آیا۔ مجلس کی معلومات کا دائرہ اخبارات اور قرائن تک محدود رہا، ورنہ مجلس ایسی فاحش اور بے بنیاد تاریخی غلطی

کا ارتکاب نہ کرتی کہ یہ دونوں اکابر ہی دارالعلوم دیوبند کے بانی اور محرک اعظم تھے۔

حضرت گنگوہیؒ کا قیام دارالعلوم سے کوئی تعلق نہیں تھا البتہ یہ دونوں یگانہ روزہستیاں خواجہ تاش اور حضرت مولانا مملوک العلی صاحبؒ کی شاگرد ہیں حضرت گنگوہیؒ کا اسم گرامی تو اس مجلس شوریٰ میں بھی نظر نہیں آتا جس کی تشکیل بانی مدرسہ حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ نے کی تھی، حضرت نانوتویؒ کی وفات کے بعد مجلس شوریٰ نے دارالعلوم کا سرپرست بنایا اس لیے یہ بات بالکل بے بنیاد ہے کہ حضرت گنگوہیؒ دارالعلوم کے ابتدائی بانی اور محرک اعظم تھے میرا خیال ہے کہ ان دونوں بزرگوں کا نام نامی علم وفضیلت اور شہرت کی بناء پر مجلس نے لکھا دیا۔

حیرت کی بات ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ نے حیدرآباد دکن والی عبارت کو ثبوت میں کس نقطہ نظر سے پیش فرمادیا؟ کیا حضرت قاری صاحبؒ اس کو صحیح سمجھتے ہیں کہ حضرت گنگوہیؒ دارالعلوم دیوبند کے بانی اور محرک اعظم تھے، جب کہ یہ طے شدہ ہے کہ مجلس حیدرآباد کے ارکان دارالعلوم کے ابتدائی حالات اور اس کی تاریخ سے ناواقف تھے البتہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دارالعلوم دیوبند کا مالی تعاون کرنے والی یہ مجلس تعاون میں مخلص اور بے غرض تھی۔

حیدرآباد کمیٹی کی رپورٹ کے بعد حضرت قاری صاحبؒ نے آٹھویں روایت نقل فرمائی ہے ذیل میں مع عنوان حضرت قاری صاحب کی عبارت مکمل نقل کررہے ہیں اس کے بعد کچھ عرض کریں گے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی روایت

''مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند ورکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند بھی اپنے مرتبہ قانون (دستور اساسی دارالعلوم دیوبند) میں جو ۱۳۶۷ھ میں ترتیب دیا گیا حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کو ہی بانی قرار دے رہے ہیں جس کی اس مجلس کے تمام اراکین شوریٰ نے جنھوں نے باتفاق رائے یہ دستور ہر دفعہ پر پوری بحث وتمحیص کے بعد منظور کیا ہے توثیق کی ہے۔ جن میں

خصوصیت سے قابل ذکر حضرت مولانا حکیم محمد اسحاق صاحب نہٹوری صدر جلسہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب حضرت مولانا فخر الدین صاحب، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب، مولانا حکیم محمد یاسین صاحب نگینوی، مولانا حکیم مشیت اللہ صاحب بجنوری وغیرہ ہیں۔ چناں چہ حضرت مفتی صاحب ممدوح دستور میں دارالعلوم کے مسلک کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

دارالعلوم کا مسلک اہل السنۃ والجماعۃ حنفی مذہب اور اس کے مقدس بانیوں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی وحضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہما کے مشرب کے موافق ہوگا" (تاسیس، ص:۲۰-۲۱)

حضرت قاری صاحبؒ نے اس روایت کے لیے دستور اساسی، ص:۵، کا حوالہ دیا ہے، یہ دستور ۱۳۶۷ھ میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے مرتب فرمایا اور ارکان شوریٰ نے بحث تمحیص کے بعد دستور کو منظوری دیدی، ہمیں اس تفصیل سے گریز نہیں ہے البتہ یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ ۱۲۸۳ھ سے ۱۳۶۶ھ تک کون سا دستور تھا؟ کیا اس دستور میں بھی حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کو دارالعلوم دیوبند کا بانی لکھا گیا ہے یا دارالعلوم کے خزانہ میں ایسی کوئی قدیم ترین تحریر بھی موجود ہے جس میں ان بزرگوں کو بانی کہا گیا ہو، اگر ایسی کوئی تحریر ہوتی تو نوے سال بعد کی یہ تحریر حضرت قاری صاحب پیش نہ فرماتے، پھر یہ تحریر اس لیے بطور ثبوت پیش نہیں کی جاسکتی کہ اس میں دارالعلوم کے بانیوں کا حوالہ پیش نہیں کیا گیا ہے دستور کی عبارت بجائے خود محتاج ثبوت ہے، حیدر آباد کی رپورٹ کے سلسلہ میں کہا جاچکا ہے کہ حضرت گنگوہیؒ کا دارالعلوم کی بناء سے کوئی تعلق تھا ہی نہیں اور نہ ہی دارالعلوم کے ابتدائی دور میں حضرت گنگوہی کی دیوبند میں آمد ورفت ہی ثابت ہے اس کے برخلاف حضرت نانوتویؒ کی آمد ورفت رشتہ کی بنیاد پر کئی عزیزوں میں ملتی ہے اسی آمد ورفت کو بنیاد بنا کر حضرت حاجی سید محمد عابد حسین صاحبؒ سے مدرسہ کے سلسلہ میں مذاکرات کی شکل دے دی، حالاں کہ کسی تحریر میں مذاکرات کا اشارہ تک موجود نہیں ہے۔

مذاکرات کی تشکیل کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ گو حضرت نانوتوی دارالعلوم کے ابتدائی برسوں میں دیوبند میں نہیں تھے مگر دارالعلوم کی تاسیس میں بایں معنی شریک تھے کہ اس سلسلہ میں مذاکرات تاسیس سے پہلے ہوتے رہے ہیں، مذاکرات کا نکتہ اسی مقصد کے تحت پیدا کیا گیا تاکہ شریک نہ ہونے کے باوجود شریک مانا جائے اور مذاکرات کی بنیاد پر صرف بانی ہی نہیں بلکہ بانیٔ اعظم کہا جائے موشگافیوں، تاویلات اور نکتہ آفرینیوں کی بات تاریخ سے بالکل الگ ہے، تاریخ کا معروضی مطالعہ ان نکتہ آفرینیوں کو قبول نہیں کرتا۔

البتہ دستور میں دونوں بزرگوں کو بانی کی حیثیت سے پیش کرنے کی یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ ان اکابر کے عقائد ونظریات خواہ کلامی ہوں یا فقہی وہ دارالعلوم پر چھا گئے تھے اور ان ہی کے عقائد وافکار کو پیش نظر رکھ کر دارالعلوم کے مشرب کی تعیین کی گئی ہے چناں چہ مذکورہ عبارت میں بھی مشرب ہی کی بات کہی گئی ہے چوں کہ یہ دونوں اکابر اپنے علم وفضل کی بناء پر اپنے معاصر علماء پر فائق تھے اور ان کا علمی سکہ رواں دواں تھا اور یہی فکر ولی اللہی کے امین وپاسبان تسلیم کئے جاتے تھے اور شہرت عامہ بھی تھی کہ یہ اکابر دارالعلوم کے درو بست پر چھائے ہوئے ہیں، اس لیے دارالعلوم کے بانی کی حیثیت سے ان کو مشہور کیا گیا اور اسی کو بعد میں آنے والے نے اصل کی حیثیت سے پیش کر دیا حالاں کہ یہ تاریخی غلطی ہے۔

لیکن تشہیر کا یہ سلسلہ جو ۱۹۰۵ء سے مولانا حافظ احمد صاحبؒ نے شروع کیا اور ہر زاویہ سے یہی آواز سنوائی گئی وہ تاریخ کے حقائق پر چھا گئی۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی دستور کی عبارت بھی ہے، ہم یہ سوال کر چکے ہیں کہ قدیم دستور کہاں ہے اور اس میں کیا لکھا ہے؟ آخر قدیم دستور کو منظر عام پر کیوں نہیں لایا گیا کیا قدیم دستاویز میں بھی حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کو دارالعلوم کا بانی کہا گیا ہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہے ورنہ اصل تاریخ کو مسخ کرنے کے لیے جب تنکے کا سہارا لیا جاتا ہے تو قدیم دستور کو کیوں نظر انداز کیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک سبب اور بھی سمجھ میں آتا ہے جس کی وجہ سے مشرب کی تشریح کی گئی اور حضرت حاجی سید محمد عابد صاحبؒ کو پردۂ خفا میں ڈال دیا گیا، وہ سبب یہ ہے کہ سید الطائفہ

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور حضرت حاجی سید محمد عابد صاحبؒ کا مشرب ایک ہے، اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ آخر وقت تک میلاد و نیاز پابندی سے کیا کرتے تھے، حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ بھی اس کے قائل تھے، انھوں نے اپنے متعدد رسائل میں اس کی تشریح وتوضیح فرمائی ہے ان کے علی الرغم حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ نے کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ان اعمال کو قبول نہیں فرمایا اور سخت نکیر فرمائی۔ ان اکابر کی تشریح وتوضیح ہی دارالعلوم کا مشرب قرار دی گئی ان اکابر رحمہا اللہ نے عقائد واعمال کے معاملہ میں اپنے پیرومرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کو رہنما تسلیم نہیں کیا بلکہ کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کو اپنا رہنما تسلیم کرتے ہوئے ان اعمال کو رد کر دیا، مستقبل میں ان اکابر کا یہی مشرب، دارالعلوم کا مشرب بن گیا اور اسی کی وضاحت حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے دستور اساسی کی مذکورہ عبارت میں کی ہے، اسی مشرب کے حوالہ سے بانی بھی کہا گیا ہے تاکہ دستور کی یہ دفعہ مضبوط تر ہو جائے اور کسی کو اس مشرب کی تعیین پر اعتراض نہ ہو کیوں کہ اس کے بانیوں کا یہی مشرب تھا، ہمارا خیال ہے کہ اگر حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ کا مشرب ان بزرگوں سے الگ نہ ہوتا تو مشرب کی توضیح نہ کی جاتی، اسی لیے دستور اساسی کی تاریخ صداقت کو ٹھکراتے ہوئے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو بانی لکھا گیا ہے جو کسی زاویہ سے قابل قبول روایت نہیں ہے۔

ابھی بانی کے سلسلہ میں حضرت قاری صاحب کے فرمودات بہت ہیں، ہماری کوشش ہے کہ ان فرمودات میں جو کچھ بھی کہا گیا ہے اور جس ترتیب سے کہا گیا ہے اسی ترتیب سے ہم بھی اظہار خیال کرتے رہیں گے، تو لیجئے حضرت قاری صاحب کی پیش کردہ نویں روایت، عنوان اور مضمون بالفاظہ نقل کرتا ہوں:

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی روایت

(۹) حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ صرف حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ

کو بانیٔ مدرسہ قرار دے رہے ہیں، چناں چہ وہ حضرت ممدوح کے فضائل ومناقب ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

> پیشوائے منازل دین، رہنمائے مراحل یقین، آلہ قدرت الٰہی، مایۂ رحمت نامتناہی غفراں مآب مغفرت جناب حضرت مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نانوتویؒ قدس سرہ کہ کدو رایں حدیقۂ پر بہار ربانی اس بنائے فیض آثار بودہ، جزاہ اللہ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء۔ (روداد جلسۂ دستار بندی دار العلوم دیوبند بابت ۱۳۲۸ھ، ص:۲۳-۲۴، بحوالہ تاسیس دار العلوم دیوبند،ص:۲۱)

ناظرین کے حافظہ میں یہ بات محفوظ ہوگی کہ حضرت قاری صاحبؒ کی پیش کردہ روایت نمبر ۶ میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دیوبندی کا اسم گرامی بھی ہے، انھوں نے اس مطبوعہ اشتہار پر دستخط کئے تھے جو چھ بزرگوں کے دستخطوں سے ۲۳؍جمادی الاولیٰ ۱۳۰۶ھ کو دار العلوم نے شائع کیا تھا، اس میں حضرت حاجی سید محمد عابد صاحبؒ کو بانی ومجوز اوّل لکھا گیا ہے اس پر دستخط حضرت مولانا گنگوہیؒ کے بھی ہیں، ان کو بھی حیدر آباد کا رکن کمیٹی اور حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ کے مرتب کردہ دستور اساسی دار العلوم دیوبند میں بانی لکھا گیا ہے۔

ایک طرف تو مولانا فضل الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ مطبوعہ اشتہار ۱۳۰۶ھ میں حضرت حاجی صاحبؒ کو بانی ومجوز اوّل لکھ رہے ہیں دوسری طرف ۱۳۲۸ھ کی روداد میں حضرت نانوتویؒ کو بانی مدرسہ قرار دے رہے ہیں، اس تضاد کو دیکھتے ہوئے ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ مولانا حافظ احمد صاحبؒ مہتمم خامس نے حضرت نانوتویؒ کو بانی کہنے کی جو مہم ۱۳۲۰ھ میں چھیڑی تھی روداد کی عبارت بھی اسی مہم کا ایک حصہ ہے، علاوہ ازیں حضرت قاری صاحبؒ نے سوانح مخطوطہ کے حوالہ سے جو روایت نمبر ۲ نقل فرمائی ہے اس میں حضرت حاجی سید محمد عابد حسین صاحبؒ کو بانی لکھنے کے ساتھ مولانا فضل الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ کو مدرسہ کا محرک اوّل لکھا گیا ہے، ان روایات کو سامنے رکھنے کے بعد یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اصلاً بانی تو حضرت حاجی سید محمد عابد صاحبؒ ہی ہیں اور دیگر حضرات نے مدرسہ کو ترقی دینے میں مکمل تعاون دیا ہے، ان میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو اوّلیت حاصل ہے، حضرت حاجی صاحب نے پہلے مرحلہ میں جن حضرات کو مدعو کیا تھا ان میں ایک یہ بھی تھے، پھر یہ کہ حضرت حاجی صاحب نے جو پہلی

مجلس شوریٰ تشکیل کی تھی اس کے ایک رکن اور چندہ دہندہ بزرگ یہ بھی تھے۔

سوانح مخطوطہ کے مصنف نے حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ کو جو محرک اوّل کہا ہے اس کی توجیہہ ہم روایت ۲ کے تحت بیان کر چکے ہیں، اب اس کو دہرانا نہیں چاہتے، اور رخ کرتے ہیں حضرت قاری صاحبؒ کے قائم کردہ عنوان ''خود حضرت نانوتویؒ کا ذاتی ارشاد کی طرف حضرت قاری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:

''خود حضرت نانوتویؒ اپنی اس معرکۃ الآراء تقریر میں جو عمارت دار العلوم کا سنگ بنیاد رکھنے کے دن جامع مسجد دیوبند میں حضرت نے کی ہے، بانی ہونے کی نسبت باشندگانِ دیوبند کی طرف فرمارہے ہیں حضرت والا کے جملے حسب ذیل ہیں۔

اس مدرسہ کی بنیاد دیوبند والوں نے ڈالی، اس امر میں وہ سب کے امام ہیں الخ'' (روداد مدرسہ دیوبند بابت ۱۲۹۰ھ تک عشرۂ کاملہ، تاسیس ص:۲۱-۲۲)(۱)

حضرت نانوتویؒ کے جملہ میں ''مدرسہ کی بنیاد دیوبند والوں نے ڈالی'' کا مفہوم حضرت قاری صاحبؒ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس سے بانیوں کے تعدد کا اثبات ثابت ہوتا ہے لیکن عوامی جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے اور وہ بھی سنگ بنیاد رکھنے کے دن اس کے علاوہ کیا کہا جاتا، آج بھی کسی مدرسہ اور مسجد کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے یہی بات کہی جاتی ہے کہ یہ آپ حضرات کی محنتوں اور تعاون کا ثمرہ ہے عوامی خطاب میں محرک اور مجوز اوّل کی تشخیص نہیں کی جاتی اور نہ اس کے مناقب بیان کیے جاتے ہیں بلکہ سب کو ہی بانی کہہ دیا جاتا ہے تاکہ چندہ دہندگان اور معاونین کے جذبات مزید تعاون کے لیے متحرک ہو جائیں اور معاونین کے دلوں کو ٹھیس نہ پہنچے، یہی حضرت نانوتویؒ کے جملوں کا سیدھا اور سچا مفہوم ہے، چناں چہ حضرت مولانا اسی تناظر میں عوام کے جذبات کو پیش نظر رکھتے ہوئے باشندگانِ دیوبند کو مدرسہ قائم کرنے کا امام بھی فرمارہے ہیں، ظاہر ہے کہ مدرسہ کی عمارت کسی ایک فرد یا معدودے چند افراد کے تعاون سے تعمیر نہیں

(۱) دار العلوم دیوبند کی عمارت کا سنگ بنیاد ۱۲۹۲ھ میں رکھا گیا اور اس دن حضرت نانوتویؒ نے نہیں بلکہ مولانا یعقوب صاحبؒ نے تقریر فرمائی تھی۔ دیکھئے روداد ۱۲۹۲ھ۔

ہوسکتی، اس کی تعمیر وترقی میں نہ جانے کتنے لوگ شامل ہوتے ہیں، اس لیے اس طرح کے موقعوں پر ایسی ہی بات کہی جاتی ہے اور یہی مناسب بھی ہے۔

اگر حضرت قاری صاحب کی تحریر کے مطابق اس کے بانی تمام باشندگانِ دیوبند ہیں تو جن بزرگوں نے حضرت حاجی صاحبؒ کو بہ حیثیت بانی ومجوز اوّل نامزد کیا ہے ان بزرگوں نے غلطی کی ہے۔ اصلاً باشندگان دیوبند کو بانی کہنا چاہیے کسی کو نامزد نہیں کرنا چاہیے اسی طرح ان بزرگوں نے بھی غلطی کی ہے جو حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کو خلاف واقعہ بانی قرار دے رہے ہیں، حالاں کہ کوئی بھی چھوٹا یا بڑا ادارہ ہو اس کا کوئی نہ کوئی محرک اور فعال شخص ضرور ہوتا ہے وہی اس ادارہ کا بانی اور محرک کہلاتا ہے، لیکن حضرت قاری صاحبؒ متعدد بانی ثابت کرکے بانیٔ اعظم کا تشخص کرنا چاہتے ہیں جس کا تعلق تاریخ سے نہیں نکتہ آفرینیوں سے ہے، تاریخ موشگافیوں کو قبول نہیں کرتی وہ تو معروضی ہوتی ہے، جو سامنے آتا ہے مورخ اسی کو الفاظ کا جامہ پہنا دیتا ہے۔

روایات کا قدر مشترک اور ماحصل

یہ عنوان حضرت قاری صاحبؒ کا قائم کردہ ہے، اس کے تحت آپ نے روایات پر کوئی بحث نہیں کی ہے اور نہ ان کی پوزیشن واضح کی ہے، ہوسکتا ہے آئندہ کسی عنوان سے روایات اور راویوں پر بحث کریں، اسی موقعہ پر ہم بھی اس بحث پر گفتگو کریں گے، یہاں آں محترم نے صرف دو باتیں کہی ہیں ایک یہ کہ سب روایات مثبت ہیں جو کسی نہ کسی کو بانی ثابت کررہی ہیں، کسی کی نفی میں کوئی روایت نہیں ہے۔ اس لیے کسی روایت کو نفی کے لیے استعمال کرنے کی صورت میں سب کی نفی ہوجائے گی۔

دراصل یہ ایک مغالطہ ہے جو روایات پر فنی بحث سے توجہ ہٹانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے ورنہ قدیم ترین روایات میں بہ حیثیت بانی اور مجوز اوّل صرف ایک نام ملتا ہے حتیٰ کہ سوانح مخطوطہ کے مصنف نے بھی بانی صرف حضرت حاجی سید محمد عابد صاحبؒ کو قرار دیا ہے، یہی

حال تذکرۃ العابدین، الہدایۃ السنیہ ، اور اشتہار مطبوعہ کا بھی ہے، اس حصر نے خود بخود دیگر ناموں کی نفی کر دی ہے، اس لیے نفی و اثبات کی بحث قابل اعتناء نہیں ہے۔ بھلا وہ روایات جن میں حضرت گنگوہی اور مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کو بانیان مدرسہ کہا گیا ہے جب کہ ان حضرات گرامی کا بناء مدرسہ سے کوئی تعلق نہیں تھا تو وہ روایات کس زاویۂ تاریخ سے زیر بحث آسکتی ہیں۔ اس لیے میں نے جرأت مندی سے کام لیتے ہوئے اس نکتہ کو مغالطہ کہا ہے۔

دوسری بات جو حضرت قاری صاحبؒ نے بیان فرمائی ہے وہ انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے:

> ''دوسرے یہ کہ روایات کے اس قدر مشترک سے یہ صاف نمایاں ہے کہ بانی ہونا کسی ایک شخصیت میں منحصر نہیں کیا جاسکتا اور یہ کہ ان روایات کے مدار حضرات جس سے یہ روایتیں صادر ہوئی ہیں وحدت بانی کے قائل نہیں بلکہ تعدد بانی کے مدعی ہیں، اس لیے حصر کے ساتھ کسی ایک کے بانی ہونے کا دعویٰ کر دیا جانا ساری روایات کے خلاف یقیناً ایک غیر تاریخی دعویٰ ہوگا جس سے اس سلسلہ کی ساری تاریخ ہی ختم ہو جائے گی۔ (تاسیس، ص:۲۳)

تعجب ہے کہ بیشتر روایات صرف ایک بانی کی تصدیق کر رہی ہیں، دو روایتیں ایسی ہیں جو دو ایسے ناموں کو سامنے لا رہی ہیں جن کا بناء مدرسہ سے کوئی تعلق ثابت نہیں ہوتا، حضرت نانوتویؒ تاسیس کے بعد کم از کم سات سال گزار کر دیوبند تشریف لائے پھر ان کو بانی کہنا تاریخ کے ساتھ ایک کھلا ہوا مذاق ہے، حضرت گنگوہیؒ کو آغاز مدرسہ سے کوئی سروکار نہیں تھا اور یہ خود حضرت سید محمد عابد حسین صاحب کو بانی اور مجوز اول لکھ چکے ہیں۔ (دیکھئے اشتہار مطبوعہ ۱۳۰۶ھ)

اب میں حضرت قاری صاحبؒ کے الفاظ ''مدار حضرات جس سے یہ روایتیں صادر ہوئی ہیں'' کی طرف توجہ دلاؤں گا، یہ کون حضرات ہیں جو تعدد کے قائل ہیں، کارکن کمیٹی حیدر آباد کے لامعلوم افراد اور نوے سال بعد کے دستور اساسی کے **فاضل مرتب**، چناں چہ ان

روایات کو قدیم روایات سے جوڑ کر نتیجہ اخذ کرنا خوب رہا، مزید برآں ان حضرات کو مدار بھی کہا جا رہا ہے، یہ کس معنی میں مدار تھے، ان میں وہ کیا خوبیاں تھیں کہ ان کو مدار قرار دیا گیا، کیا وہ حضرات گرامی جو صرف ایک شخصیت کو بانی قرار دے رہے وہ کم درجہ کے یا غیر ثقہ راوی تھے؟ حاجی نذیر احمد، منشی فضل حق، مولانا ذوالفقار علی، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حکیم ضیاء الدین رامپوری، مولانا فضل الرحمٰن دیوبندی، حکیم مشتاق احمد دیوبندی، میں سے کس کو غیر ثقہ کہا جائے، ان حضرات کی روایات کی موجودگی میں وہ روایات جو بہت بعد کی ہیں یا ان میں اضطراب ہے اور کسی کی تشخیص بھی ان میں نہیں ملتی ان کو قابلِ اعتناء کیسے قرار دیا جائے؟ لیکن حضرت قاری صاحبؒ کو اصرار ہے کہ بانیوں کا تعدد تسلیم کرا لیا جائے، چناں چہ اس نظریہ کی تائید میں وہ اپنے والد محترم حافظ احمد صاحبؒ کی عبارت پیش کرنے میں بھی تامل نہیں فرماتے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت نانوتویؒ کو بانی کہنے کی مہم کا آغاز جناب موصوف ہی نے کیا تھا، اس لیے وہ اپنے نظریہ کو قوی تر بنانے کی تدبیر ضرور ہی کریں گے۔

چناں چہ حضرت قاری صاحبؒ ''بانیین کے تعدد کا اثبات'' ایک عنوان قائم کر کے سب سے پہلے حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب کا ایک اقتباس روداد مدرسہ دیوبند بابت ۱۳۳۳ھ کے حوالے سے نقل کیا ہے، وہ اقتباس یہ ہے کہ:

> ''مولانا (حضرت شیخ الہندؒ) کے ارشاد کے مطابق ان میں (کارکنان مدرسہ میں جو حضرت شیخ الہند کے تشریف لے جانے سے شکستہ خاطر تھے) تازہ روح پھونک دی اور سب نے ٹھان لیا کہ یہ دینی امانت (مدرسہ دیوبند) جو مقدس بانیان کی وراثت سے موجودہ جماعت کے ہاتھ میں آئی ہے۔ اس کی حفاظت اس وقت تک ہر ممکن ذریعہ سے پوری طرح کی جائے جب تک کہ محض بفضل خداوندی اس کے سنبھالنے کے لیے دوسری جماعت تیار نہ ہو جائے''۔ (تاسیس، ص:۲۳)

اس عبارت پر کچھ کہنے سے پہلے ہم قارئین کو ۱۳۲۰ھ کی روداد کا وہ اقتباس یاد دلانا چاہتے ہیں جس میں حافظ احمد صاحبؒ اور حضرت نانوتویؒ کو بانی لکھا ہے اور یہی بانی کہنے کا

نقطۂ آغاز تھا۔ لیکن اس اعلان کے بعد حضرت حافظ احمد صاحب کو سخت اعتراضات کا سامنا کرنا پڑا، غالباً انہی اعتراضات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یا کسی اور مصلحت کے پیش نظر مذکور اقتباس میں ''مقدس بانیان'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ فنی نقطۂ نظر سے یہ روایت قابل قبول نہیں ہے، پہلی روایت یہ ہے کہ حضرت نانوتویؒ بانی ہیں، اس لیے قابل قبول نہیں ہے کہ اس کی تائید قدیم ماخذ سے نہیں ہوتی، پہلی مرتبہ حافظ احمد صاحبؒ نے یہ دعویٰ پیش کیا ہے، دوسری مقدس بانیوں والی اس لیے قابل اعتناء نہیں ہے کہ راوی کو خود اپنے معلومات پر اعتماد نہیں ہے، کہیں صرف ایک بانی اور کہیں متعدد بانی، بناء بریں حافظ احمد صاحبؒ کی دونوں روایات ساقط الاعتبار ہیں۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کا مضمون

حضرت قاری صاحبؒ نے بانیوں کا تعدد ثابت کرنے کے لیے حضرت علامہ عثمانیؒ کے ایک مضمون کا اقتباس نقل فرمایا ہے، حضرت عثمانی نے ''تشریح واقعۂ دیوبند'' کے عنوان سے ایک مضمون ۱۳ / رمضان ۱۳۴۳ھ میں تحریر فرمایا تھا، اس میں علامہ عثمانیؒ صاحب نے مہتمم خامس مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کے اوصاف اور ان کی ہوشمندی و تدبر کی تعریف کی ہے، آخری جملہ یہ ہے کہ اس فیض تعلیم و ترویج دین الٰہی کو بیش از بیش جدوجہد کے ساتھ شائع کیا جو مدرسہ کے بانیوں نے اس سے ارادہ کیا تھا۔ اس اقتباس کے بعد حضرت قاری صاحبؒ نے حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ کی کتاب حیات شیخ الہند، ص:۲۹، سے یہ فقرہ نقل کیا ہے کہ:

> ''دار العلوم کے بانیوں اور سرپرست حضرات اور منتظمین میں چوں کہ خلوص اور تقدس بدرجۂ اتم موجود تھا، اس لیے (مدرسہ دیوبند) ابتداء ہی سے روز افزوں ترقی کے مدارج طے کررہا تھا۔ (تاسیس، ص:۲۴)

اس اقتباس کے بعد حضرت قاری صاحبؒ نے ۱۳۵۰ھ کی اپنی ایک تحریر کا حوالہ دیا ہے۔ اقتباس یہ ہے کہ:

> ''اس وقت چند اہل اللہ اور نفوس قدسیہ کے مصفّٰی قلوب میں ارشادات غیب کے

تحت علم وعمل کے تحفظ اور صیانت دین کا ایک جذبہ صادقہ ڈالا گیا چند مخلص قلوب مستعد ہوئے کہ قال اللہ وقال الرسول کی صداؤں کو باقی رکھنے کے لیے ایک علمی ادارہ (مدرسہ دیوبند) قائم کیا جائے" (دارالعلوم کی سرسٹھ سالہ زندگی، ص:۱، بحوالہ تاسیس، ص:۲۵)

یہ ہیں تعدد ثابت کرنے کے لیے اقتباسات جو ابھی نظر سے گزرے، پہلی بات تو یہ کہ جن تحریروں کو حوالہ میں پیش کیا گیا ہے وہ سب وسطی دور کی تحریریں ہیں اور ان کا اسلوب بیان معاونین ہی کو ثابت کر رہا ہے نہ کہ متعدد بانیوں کو، آغاز مدرسہ کے وقت جن حضرات کو مستعد ومعاون دیکھا گیا ان کو بانیوں سے تعبیر کر دیا گیا، ورنہ حضرت نانوتویؒ نے تو تمام باشندگانِ دیوبند کو بانی فرمایا تھا۔ وہاں مقصد تعاون کے جذبات کو ابھارنا تھا نہ یہ کہ سب بانی تھے کیا کوئی ہوشمند ہر باشندہ کو بانی قرار دے سکتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ تعدد کی روایات سب کی سب ۱۳۲۰ھ کے بعد کی ہیں اور اسی سنہ میں حافظ احمد صاحبؒ نے حضرت نانوتویؒ کو بانی کہنے کا آغاز کیا تھا اور بناء کے مسئلہ پر اعتراضات واختلافات شروع ہو گئے، ان نزاعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے بعد کے صلح پسند حضرات نے بانیوں کا لفظ استعمال کر کے اختلافات کی خلیج کو پاٹنے کی کوشش کی ہے تاکہ کئی ایک کو یا دو کو بانی قرار دینے پر از سر نو اختلاف نہ پیدا ہو، اس طرح کی تحریروں کو تعدد کے لیے بطورِ ثبوت پیش کرنا تاریخی غلطی ہے جب کہ قدیم ترین تحریروں میں بانی کا تشخص ہو چکا ہے، لیکن اب حضرت قاری صاحبؒ کے نئے عنوان پر نظر ڈالیے کیوں کہ تعدد ثابت کر کے کسی ایک کو بانیٔ اعظم نامزد کر دیا جانا ان کے مقدمات میں شامل تھا۔ عنوان یہ ہے "تعدد بانی تسلیم مگر بانیٔ اعظم کا تشخص"

اس عنوان کے تحت حضرت قاری صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"ان ذمہ داروں کے سامنے مذکورہ تاریخی روایتوں کی کتاب کھلی ہوئی تھی اور وہ ان ساری روایات اور ان کے رواۃ کی عدالت وثقہ اور پختگی وثبوت کی وجہ سے ترجیح وانتخاب اور رد وانکار کا راستہ اختیار کر ہی نہیں سکتے تھے، اس لیے تعدد بانی کے قائل

رہے۔ البتہ بانیٔ اعظم ایک کو مانتے رہے۔ جس میں دوسروں کے بانی ہونے کی نفی شامل نہ تھی''۔ (تاسیس، ص: ۲۵)

حضرت قاری صاحبؒ نے اس تحریر میں دعویٰ کیا ہے کہ راویوں کے سامنے تاریخی روایات کی کتاب کھلی ہوئی تھی، حالاں کہ جن راویوں کی بات کہی جارہی ہے اگر ان کے سامنے قدیم ترین تحریر ہوتیں تو وہ الہدیۃ السنیہ، تذکرۃ العابدین، اشتہار مطبوعہ مجلس شوریٰ اور سوانح مولوی محمد قاسم وغیرہ سے اختلاف نہ کرتے، راویوں کی عدالت وثقاہت سے کس کو انکار ہے لیکن انھوں نے ۱۹۰۵ء سے جو مشتہر کیا جارہا تھا اسی کو دہرادیا، اس لیے کہ یہ رواۃ زیادہ سے زیادہ وسطی دور کے تھے۔ ان کے سامنے وہی تحریریں تھیں جو حضرت حافظ احمد صاحبؒ کی مہم اور تحریک کا ایک حصہ تھیں، اگر ان تحریروں کا کوئی پختہ ثبوت تھا یا ہے تو وہ منظر عام پر آنا چاہیے تھا، اسی طرح حضرت قاری صاحبؒ کا یہ تحقیقی فرض تھا کہ وہ ان روایات کے ماٰخذ کی نشاندہی فرمادیتے، اس لیے کہ وسطی دور مآخذ کا مطالبہ کررہا ہے، اس کے بغیر دعویٰ بلا ثبوت ہوگا اور بحث وتحقیق کی دنیا میں قابل قبول نہیں ہوگا۔

حضرت قاری صاحبؒ نے اس تحریر کے بعد ایک مستقل عنوان قائم فرمایا ہے، ذیل میں وہ عنوان پیش خدمت کیا جارہا ہے اور اس کے تحت جو بحث کی گئی ہے اس پر نظر ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔

بناء حضرت نانوتویؒ کی نفی کا دعویٰ تاریخ کی روشنی میں

حضرت قاری صاحبؒ نے اس عنوان کے تحت ان مقالہ نگاروں کو منفی نگار حضرات کے عنوان سے تعبیر کیا ہے جو حضرت حاجی سید محمد عابد حسین صاحبؒ کو بانی اور مجوز اوّل کہتے ہیں اور دیگر حضرات کو معاون اور دست وبازو قرار دیتے ہیں، یہی تاریخی روایات کے مطابق سچ اور حق ہے، حضرت حاجی صاحبؒ کو بانی تسلیم کرنے کو منفی رجحان قرار دینا قرین انصاف نہیں ہے، اگر حضرت قاری صاحبؒ کی پیش کردہ وہ روایات جو تعدد ثابت کررہی ہیں تسلیم کرلی جائیں تو

بھی ان قوی ترین روایات پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، جو حضرت حاجی صاحبؒ کو صراحتاً بانی کہہ رہی ہیں، بیش از بیش یہی کہا جاسکتا ہے کہ متعدد حضرات نے تعاون وفعالیت کا ایسا ثبوت بہم پہنچایا کہ ان کو بھی بانیوں میں شمار کرلیا گیا ورنہ حقیقتاً وہ نہ بانی تھے اور نہ ہی مجوز اول۔

اس کے باوجود حضرت قاری صاحبؒ حضرت نانوتویؒ کی عظیم شخصیت کو سامنے رکھ کر ان ہی کو بانیٔ اعظم ثابت کرنے پر مصر ہیں، ایک بات ثابت شدہ ہوتی ہے اس کے لیے موشگافیوں کی ضرورت نہیں ہوتی، البتہ غیر ثابت شدہ چیزوں کو ثابت کرنے کے لیے دور کی کوڑی لائی جاتی ہے اور کسی نہ کسی طرح اپنے نظریہ کو ثابت کردیا جاتا ہے چناں چہ حضرت قاری صاحبؒ نے حضرت نانوتویؒ کی طرف مستقل ایک تحریک منسوب فرمائی ہے جو قیام مدارس سے تعلق رکھتی ہے، لیکن اس تحریک کا آغاز کب ہوا اور اس تحریک کے سلسلہ میں حضرت نانوتویؒ کے فرمودات کیا ہیں اور تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے جدوجہد کس حد تک کی گئی اور کہاں کی گئی؟ ان سوالات کا جواب کہیں نہیں ملتا اسی لیے حضرت قاری صاحبؒ نے کسی تحریر کا حوالہ نہیں دیا اور نہ ہی حضرت نانوتویؒ کی تحریر کا کوئی اقتباس پیش فرمایا، بناء بریں بلا تکلف کہا جاسکتا ہے کہ تحریک کا انتساب محتاج ثبوت ہے۔

چوں کہ تحریک مدارس کا سہرا کسی ایک شخصیت کو پہنانا تھا اور حضرت نانوتویؒ کی تحریک کا ثمرہ دارالعلوم کو قرار دینا تھا اس لیے بطورِ تمہید تحریک پیش کی گئی اور اس کا انتساب حضرت نانوتویؒ کی طرف کیا گیا اور دارالعلوم کو اس تحریک کا پھل پھول قرار دیا گیا، اس مدرسہ کو دیکھ کر بہت سے مدارس کا قیام عمل میں آیا اور قیام مدارس کی ضرورت ہر جگہ محسوس کی گئی، چوں کہ ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں شکست وہزیمت سے دوچار ہونے کے بعد ہندوستانی مسلمان حیران وسراسیمہ تھا، اس کو اپنی آئندہ نسلوں کو مسلمان باقی رکھنے کی فکر دامن گیر تھی، پیاسی زمین باران رحمت کی منتظر تھی اس لیے دارالعلوم کا آغاز ہوتے ہی قیام مدارس کا سلسلہ چل پڑا، اس سچائی کا اعتراف حضرت نانوتویؒ نے ان الفاظ میں کیا ہے، ملاحظہ فرمایئے۔

''چوں کہ اکثر مدارس مدرسہ کی دیکھا بھالی مقرر کیے گئے ہیں، یا کیے جاتے

ہیں تو گویا کوئی مدرسہ اس سے ترقی پا جائے پر اہل عقل کے نزدیک وہ بھی دیوبند ہی کا پرتو ہوگا اور اس پر جب یہاں کے باشندوں کی شکستہ حالی اور پریشان روزگاری پر نظر کی جائے تو یہ ان کی ہمت کی بات کسی طرح ان کاموں سے کم نہیں جو اہل سلطنت نے برفاہ عام کیے ہیں۔ (روداد مدرسہ دیوبند بابت ۱۲۹۰ھ بحوالہ تاسیس، ص:۲۸)

حضرت نانوتویؒ کا ارشادِ گرامی آپ کے سامنے ہے آں جناب نے بالکل سادہ انداز میں یہ حقیقت واشگاف فرمادی کہ اس مدرسہ کی دیکھا بھالی قائم کئے جارہے ہیں اس کے لیے کوئی تحریک نہیں چلائی گئی بلکہ تحفظ دین کی اس صورت کو لوگوں نے قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور مدرسے قائم کرتے گئے۔ حضرت نانوتویؒ کی مذکورہ تحریر میں دور دور تک اس تحریک کا اشارہ بھی نہیں ہے، جس کو پوری قوت کے ساتھ حضرت قاری صاحبؒ نے بیان فرمایا ہے بلکہ حضرت نانوتویؒ کی متعدد تحریریں یہی ثابت کررہی ہیں کہ دارالعلوم دیوبند باشندگانِ دیوبند کے تعاون سے قائم ہوا، یہی تاریخی حقیقت ہے، حضرت حاجی سید محمد عابد حسینؒ نے چھتہ مسجد میں پہلی مجلس منعقد کر کے چندہ کا آغاز فرمایا تھا اور پھر شہر میں چندہ کیا، یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے رومال کی جھولی بنا کر قصبہ میں عام چندہ کیا تھا اور اس میں روز افزوں ترقی ہی ہوتی گئی۔

ہمیں حیرت اس بات پر ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ نے مذکورہ اقتباس کو اپنے نظریہ کی تائید میں کیسے پیش فرمادیا جس سے اس نظریہ کی تائید کے بجائے نفی ہوتی ہے اور ثابت ہوجاتا ہے کہ منفی نگار وہ حضرات ہیں جو حضرت حاجی صاحبؒ کو نظر انداز کر کے حضرت نانوتویؒ کو بانی ہی نہیں بانی اعظم قرار دیتے ہیں۔

مذکورہ عنوان کے بعد حضرت قاری صاحبؒ نے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ:

حضرت نانوتوی ایک نہیں متعدد دینی مدارس کے بانی ہیں

اس عنوان کے تحت حضرت قاری صاحبؒ نے چند مدارس کے نام گنائے ہیں جو

حضرت نانوتویؒ کی جدوجہد اور مساعی سے قائم کیے گئے ہیں اس سے اختلاف ہے نہ انکار، ہم دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد جانتے ہیں کہ مدارس قائم کرنے کی ایک رو چل پڑی اور مدارس قائم ہوتے رہے اور حضرت نانوتویؒ کے الفاظ میں ''مدرسہ دیوبند کی دیکھا بھالی'' میں قائم ہورہے ہیں، یہ تاریخی صداقت ہے کہ حضرت نانوتویؒ نے چند مدارس کا سنگ بنیاد رکھا اور چند مدارس کی سرپرستی فرمائی لیکن سرپرست اور بانی ہونے میں کھلا ہوا فرق ہے، اسی طرح سنگ بنیاد رکھنے والا بانی نہیں ہوتا عموماً مدارس ومساجد کا سنگ بنیاد رکھنے کے لیے کسی اہم بزرگ شخصیت کا انتخاب کیا جاتا ہے اور اس کو بصد احترام مدعو کر کے بنیاد کی پہلی اینٹ رکھوائی جاتی ہے لیکن درحقیقت وہ بانی نہیں ہوتی۔

اسی طرح بہت سے مذہبی وسیاسی ادارے ایسے بھی ہیں جن کے اصل بانی گوشۂ گمنامی میں ڈال دیئے گئے اور بعد میں ادارہ کو ترقیات سے ہمکنار کرنے والی شخصیت کو لوگوں نے بانی اور محرک اوّل باور کرلیا، اس کی مثالیں بہت سی ہیں، دارالعلوم دیوبند کو فروغ دینے اور ترقیات سے ہمکنار کرنے میں حضرت نانوتویؒ نے جو اہم کردار ادا کیا ہے وہ ناقابلِ فراموش حقیقت ہے، دارالعلوم کو بامِ عروج تک پہنچانے میں جو مساعی اور جدوجہد حضرت نانوتویؒ نے کی ہے اور سرپرستی کا حق ادا کیا ہے وہ بھی ایک حقیقت ہے، اسی کردار وعمل کو دیکھ کر اس دور کے لوگوں میں یہ خیال پیدا ہوگیا کہ حضرت نانوتویؒ ہی دارالعلوم دیوبند کے بانی ہیں پھر آپ کے صاحبزادے جناب حافظ احمد صاحبؒ نے بانی کہنے کی مہم شروع کردی۔

سرسید احمد خاں (بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کی زندگی میں حضرت نانوتویؒ کا انتقال ہوا تو سرسید مرحوم نے اپنے انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں ایک تعزیتی مضمون شائع کیا، اتنا اہم اور بہترین وجامع کسی کا تعزیتی مضمون اب تک میری نظر سے نہیں گزرا، سرسید نے اپنے اسی مضمون کے آخر میں یہ فقرہ بھی سپردِ قلم کیا ہے جس کو حضرت قاری صاحبؒ نے اپنے نظریہ کی تائید میں نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

''ان کی کوشش سے علوم دینیہ کی تعلیم کے لیے نہایت مفید مدرسہ دیوبند میں

قائم ہوا،(۱) علاوہ اس کے چند مقامات میں بھی ان کی سعی وکوشش سے اسلامی مدارس قائم ہوئے" (تاسیس، ص۲۹)

حضرت نانوتویؒ اور سرسید دونوں باہم متعارف تھے لیکن دونوں کی ملاقات ثابت نہیں ہے، ایک دوسرے کے مذہبی نظریات سے اچھی طرح واقف تھے، سرسید کے بعض خیالات سے حضرت نانوتویؒ کو اتفاق نہیں تھا، اس سلسلہ میں آں جناب نے اپنی تشویش کا اظہار بھی کیا، پیرجی محمد شریفؒ کے ذریعہ سرسید مرحوم نے پندرہ سوالات حضرت نانوتویؒ کی خدمت میں ارسال کئے تھے، حضرت نانوتویؒ نے اپنی افتادِ طبع کے مطابق نہایت عالمانہ جواب تحریر فرمایا یہی جواب کتابی شکل میں "تصفیۃ العقائد" کے نام سے شائع کردی گئی، اس سوال وجواب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملاقات کا ماحول بن گیا تھا مگر ملاقات نہیں ہوسکی، اس صورت حال کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ سرسید کو جو اطلاعات دوردراز سے پہنچیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے انھوں نے یہ فقرہ لکھا اور یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ حضرت نانوتویؒ کی خدمات نمایاں اور ان کی عظیم شخصیت سے دارالعلوم کو بہت فائدہ ہوا۔

یہی مولانا منصور علی خاں صاحب (افسر الاطباء ریاست حیدرآباد دکن) نے اپنی کتاب "مذہب منصور" جلد دوم، ص:۱۷۷، میں لکھی ہے۔ پوری عبارت یہ ہے کہ:

> ہندوستان میں اکثر مقامات پر مدارس دینی جناب مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی رائے اور مشورہ سے جاری ہیں، خصوصاً مدرسہ دیوبند اوّل مولانا مرحوم نے اسی مدرسہ کو چندہ سے قائم کیا تھا۔ (تاسیس، ص:۳۰)

مولانا منصور علی خاں صاحب کی تحریر آپ کے پیش نظر ہے، اس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ

---

(۱) اخبار انسٹیٹیوٹ گزٹ مؤرخہ ۲۴ر اپریل ۱۸۸۰ء کی مکمل عبارت اس طرح ہے:
"نہایت مفید مدرسہ دیوبند میں قائم ہوا اور ایک نہایت عمدہ مسجد بنائی گئی"۔
حضرت قاری صاحبؒ خدا معلوم اس جملہ کو تحریر میں کیوں نہیں لائے؟
بلا اختلاف یہ بات مسلم ہے کہ دیوبند کی جامع مسجد بھی حضرت حاجی صاحبؒ کی قائم کردہ ہے، غالباً اس جملہ کو لکھنے سے حضرت قاری صاحبؒ کا موقف کمزور ہوجاتا اور سرسید کا مدرسے کے سلسلے میں بیان کردہ حقیقت کا علم سب کو ہوجاتا۔

حضرت نانوتویؒ نے دارالعلوم دیوبند کو چندہ سے قائم کیا تھا، اس دعویٰ کی حقیقت کیا ہے؟ اس سلسلہ میں ہم یہ نہیں دہرائیں گے کہ حضرت نانوتوی قیام دارالعلوم کے وقت دیوبند میں موجود نہیں تھے اور انھوں نے دارالعلوم کے لیے چندہ نہیں کیا تھا، اس کا اقرار واعتراف حضرت قاری صاحبؒ نے خود کیا ہے۔ لیکن وہ اپنے نظریہ کے مطابق چندہ میں پہل نہ کرنے اور چندہ کے وقت موجود نہ ہونے کو بانی ہونے کی شہادت نہیں مانتے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جو شخص ادارہ کے قیام کے بعد ادارہ کے لیے جدوجہد شروع کردے اس کو بانی کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے، حالاں کہ واقعات وحقیقت کی دنیا میں اس طرح موشگافیوں کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ حضرت قاری صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

> ''رہا حضرت والا کے بانی نہ ہونے کے سلسلے میں سند نفی کے طور پر یہ کہا جانا کہ انھوں نے مدرسہ کے ابتدائی چندہ وصول کرنے میں پہل نہیں کی اور نہ وہ چندہ ہوتے وقت دیوبند میں موجود تھے۔ لیکن یہ عمل حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ کا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ کسی کا چندہ ہوتے وقت موجود نہ ہونا یا کسی کا چندہ وصول کرنے میں پہل نہ کرنا، نہ بانی ہونے کی نفی کے لیے کافی ہے نہ اثبات کے لیے'' (تاسیس، ص:۳۰)

حضرت قاری صاحبؒ کے اس فقرہ میں مغالطہ یہ ہے کہ حضرت حاجی سید محمد عابد صاحبؒ دارالعلوم کے بانی و مجوز اوّل نہیں تھے صرف چندہ وصول کرنے کی حد تک حضرت حاجی صاحب کو بانی کہہ دیا جاتا ہے، تاریخ کے ساتھ اس ناانصافی کو کیا کہیے کہ اپنے نظریہ کے مطابق حضرت نانوتویؒ کو بانی تسلیم کرانے کے لیے کیا کچھ کرنا پڑ رہا ہے لیکن جو چیز ثابت شدہ نہیں ہے وہ کیسے ثابت ہوگی۔ ہاں مگر ابھی بہت کچھ باقی ہے، چناں چہ ایک عنوان ہے کہ:

حضرت نانوتویؒ کے نام
حاجی عابد حسین صاحبؒ کا گرامی نامہ اور اس کا تجزیہ

اس عنوان کے تحت حضرت قاری صاحبؒ نے مدینہ اخبار بجنور، ۹؍ربیع الاوّل ۱۳۸۵ھ کے حوالہ سے ایک اقتباس نقل فرمایا ہے اور اسی کا تجزیہ کیا ہے، اقتباس یہ ہے کہ:

"کل عصر اور مغرب کے درمیان تین سو روپئے جمع ہو گئے اور اب آپ تشریف لے آیئے"۔ (تاسیس، ص:۳۱)

اقتباس میں لفظ "اب" پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ لفظ معہود فی الذہن کی طرف اشارہ کررہا ہے کہ حضرت نانوتویؒ کے علم میں سارے حالات تھے اور اس تحریک میں وہ شریک تھے، لیکن جب ہم اس اقتباس کو حاجی نذیر احمد صاحب مصنف تذکرۃ العابدین کی تحریر سامنے رکھتے ہیں جس کو حضرت قاری صاحبؒ نے "تاسیس" کے صفحہ ۱۷ پر نقل کیا ہے تو اس میں حضرت حاجی صاحبؒ کے مکتوب گرامی کے سلسلہ میں جو کچھ تذکرۃ العابدین کے مصنف نے لکھا ہے وہ عبارت نقل نہیں کی گئی بلکہ مدینہ اخبار کا سہارا لیا گیا ہے، اخبار کی عبارت بلاحوالہ ہے، اس لیے تذکرہ کے مصنف کی عبارت ہی قابل قبول اور صحیح ہے اس میں صراحت ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ نے حضرت نانوتویؒ کو پڑھانے کے لیے بلایا تھا اور قیام مدرسہ کی اطلاع دی تھی اس میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جس سے سمجھا جائے کہ حضرت نانوتویؒ سارے حالات سے واقف تھے اور ان سے تبادلۂ خیال بھی ہوا تھا۔ ملاحظہ فرمایئے "تذکرہ" کا اقتباس:

> "اگلے روز حاجی صاحب نے مولوی محمد قاسم صاحب کو میرٹھ خط لکھا کہ آپ پڑھانے کے واسطے دیوبند آیئے، فقیر نے یہ صورت اختیار کی ہے مولوی محمد قاسم صاحب نے جواب لکھا کہ میں بہت خوش ہوا، خدا بہتر کرے مولوی ملا محمود صاحب کو پندرہ روپئے ماہوار تنخواہ مقرر کرکے بھیجتا ہوں وہ پڑھاویں گے اور میں مدرسہ مذکور میں مسائی رہوں گا"۔ (تذکرۃ العابدین، ص:۶۹)

اس عبارت کو سامنے رکھنے کے بعد شاید ہی کوئی یہ جرأت کرے کہ حضرت نانوتویؒ قیام مدرسہ کے مشورہ ومذاکرات میں شریک تھے اور مدرسہ کے قیام میں ان کا کوئی عمل دخل تھا۔ حضرت حاجی صاحبؒ کے الفاظ کہ "فقیر نے یہ صورت اختیار کی ہے" نے بالکل واضح کردیا کہ حضرت نانوتویؒ کو قطعاً واقفیت نہیں تھی، چوں کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی نظر میں حضرت نانوتویؒ سے بہتر کوئی فاضل معلم نہیں تھا، اس لیے ان کو مدعو فرمایا، جواب میں حضرت نانوتویؒ نے قیام مدرسہ پر اپنی خوشی کا اظہار فرمایا اور اپنی مدد کا یقین دلایا، چناں چہ مدرسہ نے جب بھی حضرت نانوتویؒ کو امتحانات اور جلسوں کے موقعہ پر دعوت دی، آپ تشریف لائے،

طلبہ کا امتحان لیا اور جلسہ کو خطاب فرمایا حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت نانوتویؒ کی عظمت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مجلس شوریٰ کا رکن نامزد کیا، تذکرۃ العابدین کے الفاظ یہ ہیں:

''مگر اس قدر کثرت طلباء ہوئی کہ تنہا مولوی ملا محمود صاحب تعلیم نہ دے سکے چنانچہ اس عرصہ میں چندہ بھی زیادہ آنے لگا، اس وقت حاجی صاحب نے مولوی محمد قاسم صاحب، مولوی فضل الرحمٰن صاحب، مولوی ذوالفقار علی صاحب، مولوی مہتاب علی صاحب و منشی فضل حق صاحب وغیرہ کو اہل شوریٰ قرار دیا کہ کاروبار مدرسہ حسب رائے اہل شوریٰ ہوا کرے اور خود بھی اہل شوریٰ و سرپرست و مہتمم مدرسہ بلاتنخواہ رہے''۔ (ص:۶۹)

کیا اس وضاحت کے بعد ایسی کوئی گنجائش نکلتی ہے کہ حضرت نانوتویؒ کو دارالعلوم کا بانی قرار دیا جائے اور مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو بھی بانیوں میں شامل کر دیا جائے، پھر بانیوں کا تعدد ثابت کر کے حضرت نانوتویؒ کو بانی اعظم کہنے کی جرأت بیجا کی جائے، اگر دارالعلوم عالمی ادارہ نہ بنتا تو بانی ثابت کرنے پر اتنی محنت نہ کی جاتی، آخر حضرت حاجی صاحبؒ کو بانی و مجوز اوّل تسلیم کر لینے میں کیا قباحت ہے اور یہ بھی ایک سچائی ہے کہ حضرت نانوتویؒ نے مدرسہ کو فروغ دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، اسی کا وعدہ حضرت نانوتویؒ نے جواب خط میں کیا تھا اور جو جدوجہد آپ نے کیں اس کو بہ نظر استحسان دیکھا۔

لیکن حضرت قاری صاحبؒ تاریخی روایات سے انحراف کرتے ہوئے حضرت نانوتویؒ کو بانی مدرسہ قرار دینے کا جو ایک نظریہ قائم کر چکے ہیں اس کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ساری توانائیاں صرف کر رہے ہیں، چناں چہ جس مکتوب پر وہ بحث فرما رہے ہیں اس کا ایک ذیلی عنوان ہے۔

حاجی صاحب کے خط کی بنیاد پر ایک فرضی تخیل

اس عنوان کے تحت حضرت قاری صاحبؒ یہ تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہیں کہ حضرت نانوتویؒ کو مدرسی کے لیے بلایا گیا یہ حضرت والا کی شان سے فروتر ہے نیز تدریس کے لیے دعوت ایک فرضی تخیل ہے، حضرت قاری صاحبؒ کے الفاظ یہ ہیں کہ:

"پھراس خط کی غرض وغایت کے سلسلہ میں یہ تخیل قائم کرلینا کہ حاجی صاحب نے حضرت والا کو مدرسی پر بلانے کے لیے یہ خط لکھا، اس خط پرایک بے بنیاد اضافہ ہے، جس کا خط کی عبارت یا اس کے کسی ایک لفظ میں اشارۃً یا کنایۃً کوئی ذکر ہی نہیں" (تاسیس، ص:۳۳)

اگر حضرت قاری صاحبؒ اپنے نظریہ کے ثبوت میں ایسی بات نہ لکھتے تو بہت اچھا ہوتا یہ ان کی شان سے فروتر ہے کہ وہ ایک صریح عبارت کا انکار فرمادیں اور خط کا ایک نیا مضمون اپنے تخیل کے مطابق گڑھ کر پیش فرمادیں، تذکرۃ العابدین کا اقتباس دوبارہ سہ بارہ پڑھ لیجئے، اس میں دیکھئے صراحت ہے کہ "آپ پڑھانے کے واسطے دیوبند آیئے" حیرت ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ کو اشارۃً یا کنایۃً بھی مدرسی کے لیے لفظ نہیں آیا اور لفظ "آپ" کو "اب" سے بدلنے میں کوئی تکلف محسوس نہیں ہوا، اسی لفظ "اب" پر بحث کی پوری عمارت استوار ہوگئی، چوں کہ حضرت قاری صاحبؒ کو مدرسی کے لیے بلانا تسلیم نہیں ہے، اس لیے خط کی غرض وغایت علیحدہ بیان کرنے کے لیے عنوان قائم فرمایا کہ:

حاجی صاحبؒ کے خط کی غرض وغایت

حضرت قاری صاحبؒ کو اپنے تخیل کے مطابق اس بات پر اصرار ہے کہ حضرت نانوتویؒ مدرسہ کی تحریک میں شریک تھے اور وہ قیام مدرسہ سے بے خبر نہ تھے، اگر ناواقف ہوتے تو خط کا اسلوب بیان یہ ہوتا کہ:

میرا ارادہ مدرسہ قائم کرنے کا ہے، چندہ بھی کرچکا ہوں، مدرس کی تلاش ہے آپ مدرسی قبول فرمائیں اور تشریف لے آویں" (تاسیس، ص:۳۴)

غالباً حضرت قاری صاحبؒ نے حضرت حاجی صاحبؒ کے خط کو یکسر نظرانداز کردیا ہے ورنہ حاجی صاحب کے خط میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ:

"فقیر نے یہ صورت اختیار کی ہے"

یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ حضرت نانوتویؒ مدرسہ کی تحریک اور اس کے قیام سے بے خبر تھے،

اس لیے حضرت حاجی صاحب کو یہ اسلوب بیان اختیار کرنا پڑا اور نہ اس سلسلہ میں مذاکرات ہوئے ہوتے تو اسلوب بیان الگ ہوتا اور وہ کچھ اس طرح ہوتا کہ حسبِ مشورہ سب کچھ ہو چکا ہے، آپ ہی مدرسی کے لیے تشریف لے آئیں۔ یہ ہوتا اسلوب بیان نہ یہ کہ فقیر نے یہ صورت اختیار کی ہے دونوں میں کتنا واضح فرق ہے وہ سامنے ہے، حاجی صاحب کے اس جملہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اپنے خط میں پوری تفصیل لکھی تھی جس کا اجمالی ذکر ''تذکرہ'' کے مصنف نے کیا ہے، لیکن حضرت قاری صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

''بلکہ خط کا صاف اور متبادر مفہوم صرف یہ ہوسکتا ہے کہ چندہ ہو چکا ہے، اب آپ آ کر مدرسہ کا اجراء کر دیں اور اسے قائم کر دیں جس میں اب کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں ہے، ابتدائی مراحل چندہ وغیرہ سب طے ہو چکے ہیں'' (تاسیس، ص: ۳۶)

حضرت قاری صاحبؒ کا یہ خیالی مفہوم جس کی کوئی بنیاد اور اصل نہیں ہے، حضرت حاجی صاحبؒ کے خط پر ایک بے اصل اضافہ ہے اور اس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ حضرت نانوتویؒ سے صلاح ومشورہ کے بعد حضرت حاجی صاحبؒ نے مدرسہ قائم کرنے کے لیے چندہ کیا ہے، ان کے ذہن میں کوئی ایسی بات نہیں تھی، اس کا یہ مطلب ہوا کہ حضرت حاجی صاحب کا چھتہ کی مسجد میں چند اہل علم ورائے کو بلا کر خواب بیان کرنا اور مدرسہ قائم کرنے کی تجویز پیش کرنا، اتفاق کے بعد چندہ کا آغاز کر دینا، سب بے اصل اور بے بنیاد ہیں، تاریخ کو مسخ کرنے اور بدلنے کی بدترین مثال ہے، ہم حضرت حاجی صاحبؒ کا مکتوب نقل کر چکے ہیں، اس پر دوبارہ نظر ڈال لیں، آپ خود فیصلہ کرلیں گے کہ حضرت نانوتویؒ حضرت حاجی صاحب کے خط سے پہلے مدرسہ کی تحریک اور اسکی تاسیس سے بے خبر تھے لیکن حضرت قاری صاحبؒ اس نتیجہ کو ذاتی تخیل قرار دیتے ہیں۔ صراحتوں کو ذاتی تخیل قرار دینا سمجھ میں نہیں کہ کیسے تسلیم کرلیا جائے۔ یاں ایک بات یہ بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ حضرت نانوتویؒ نے اپنے بجائے ملا محمود صاحبؒ کو پندرہ روپئے مشاہرہ پر بھیج دیا اور خود تحقیق حال کے لیے تشریف نہیں لائے بلکہ کم وبیش ۹ رسال بعد دیوبند تشریف آوری ہوئی، حالاں کہ تحریک مدرسہ کا تقاضا تھا کہ حضرت والا

وقت نکال کر بلا تاخیر دیوبند تشریف لاتے، پیش رفت کا جائزہ لیتے اور مفید مشوروں سے نوازتے اور تحریک میں نئی روح پھونک دیتے، حضرت قاری صاحبؒ بھی اس کے قائل ہیں کہ حضرت والا کم از کم سات سال بعد دیوبند تشریف لائے، کیا کوئی معمولی سوجھ بوجھ کا آدمی بھی اس کو تسلیم کر سکتا ہے کہ محرک اعظم اپنی تحریک سے اس قدر بے اعتنا ہو سکتا ہے؟

حضرت قاری صاحبؒ نے خط کی عبارت پیش نظر رکھ کر جو نکتہ آفرینیاں کی ہیں وہ ان کو استنباط قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:

''تاہم یہ غنیمت ہے کہ ابھی اس خط کے دیکھنے والے موجود اور بقید حیات ہیں ان کے بیان سے وہ امور جو ہم نے اس مجمل عبارت سے بطورِ استنباط پیش کیے ہیں نص صریح بن جاتے ہیں''(ص:۳۸)

خط دیکھنے والوں میں حضرت قاری صاحبؒ نے صرف حضرۃ الاستاذ علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ کا نام لیا ہے جب کہ جمع رعایت سے کم از کم دو اشخاص کا تعین ہونا چاہیے تھا، خیر حضرت قاری صاحبؒ نے صرف ایک نام لکھنے پر اکتفاء فرمایا ہے، ہم اسی کو تسلیم کر لیتے ہیں لیکن حضرت قاری صاحبؒ کی تفصیل پر چند اعتراضات وارد ہوتے ہیں، پہلے حضرت قاری صاحب کی عبارت پر ایک نظر ڈال لیجیے:

''(حضرت علامہ نے فرمایا) میں نے حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ کا وہ خط حاجی نذیر احمد صاحبؒ خلیفہ حضرت حاجی صاحبؒ (مصنف تذکرۃ العابدین) کے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور پڑھا ہے جو حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت نانوتویؒ کو لکھا تھا اس میں صراحتاً یہ مضمون مرقوم تھا کہ ''وہ جو آپ میں اور ہم میں باہم مذاکرات ہوتے رہتے تھے کہ کوئی مدرسہ قائم کیا جائے، فقیر کو ایک دن خیال آگیا اور چندہ کے لیے اٹھ کھڑا ہوا کل عصر مغرب کے درمیان تین سو روپے ہوگئے اب آپ تشریف لے آئیں''(ص:۳۸)

اس عبارت کے سلسلہ میں پہلا بنیادی اعتراض تو تذکرۃ العابدین کی عبارت سے اختلاف ہے جب یہ خط تذکرہ کے مصنف کے پاس موجود تھا تو عبارت میں بنیادی افتراق

کیوں کر رونما ہوا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے موقف کی تائید میں عبارت کی تحریف کی گئی، پھر یہ بات بھی سمجھ میں آنے والی نہیں ہے کہ عصر و مغرب کے درمیان تین سو کا چندہ ہوگیا، اتنے کم وقت میں حضرت حاجی صاحبؒ کا گھر گھر جانا کیا سمجھ میں آنے والی بات ہے وہ بھی سخت سردی کے موسم میں، کیوں کہ یہ واقعہ ۲؍ ذی قعدہ ۱۲۸۲ھ بروز جمعہ کا ہے، مدرسہ کا آغاز ۱۰؍ محرم ۱۲۸۳ھ میں ہوا یعنی سن عیسوی کے لحاظ سے ۱۵؍ اپریل ۱۸۶۶ء میں چندہ کا واقعہ فروری کا آخری عشرہ ہوگا۔

عبارت میں رد و بدل اور تحریف کی بات ہوسکتا ہے کہ بہت سے لوگوں کو گراں گزر جائے لیکن ہمارے پاس دیگر شواہد بھی ہیں جو تحریف کی تائید کرتے ہیں، اس امر پر تو سب کو اتفاق ہے کہ مجلس شوریٰ کی تشکیل حضرت حاجی صاحبؒ نے کی تھی۔ مدرسہ کی ابتدائی رودادوں میں اس کی وضاحت موجود ہے، حضرت حاجی صاحب ہی نے حضرت نانوتویؒ کو رکن شوریٰ نامزد کیا تھا۔ مگر بعد میں جب رودادوں میں رد و بدل کی کوئی صورت نظر نہیں آئی تو اشتہار شائع شدہ میں ناموں کی ترتیب بدل دی گئی، سر فہرست حضرت حاجی صاحب کے اسم گرامی کے بجائے حضرت نانوتویؒ کے اسم گرامی کو درج کیا گیا جو اس بات کا اہم ثبوت ہے کہ حضرت نانوتویؒ کو اصل بانی ثابت کرنے کے لیے اس طرح کی حرکتیں پہلے سے ہی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کی جارہی تھیں، حضرت قاری صاحب کا دور اہتمام آیا تو پوری قوت سے حضرت نانوتوی کو بانی اعظم ثابت کرنے کی تشہیر کی گئی، یہاں تک کہ تاریخی صداقتوں کو ملیا میٹ کرنے میں کامیابی مل گئی، حد تو یہ ہے کہ حضرت نانوتویؒ کے اسم گرامی کو سر فہرست رکھ کر اس کو بانی ہونے کے ثبوت میں پیش کیا گیا، ملاحظہ فرمایئے حضرت قاری صاحب کا استدلال:

> ''۱۲۸۳ھ میں مدرسہ کے قیام کا اعلان جن بزرگوں کی طرف سے ہوا ہے ان میں سر فہرست حضرت ہی کا اسم گرامی ملتا ہے جیسا کہ روداد مدرسہ دیوبند بابت ۱۲۸۳ھ کے ص:۳ سے ظاہر ہے۔'' (تاسیس، ص:۱۱۵)

ناموں کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر کا عمل بلا شبہ منظم منصوبے کے تحت ہوا، اس کا آغاز مولانا محمد طاہر مرحوم (برادر حضرت قاری صاحبؒ) نے رسالہ القاسم کے دار العلوم نمبر سے کیا، ہم

گزشتہ صفحات میں مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کا حوالہ پیش کر چکے ہیں کہ سب سے پہلے اس مہم کا آغاز گورنر کی آمد پر کیا تھا، پھر صاحبزادگان گرامی نے اس مہم کو تیز سے تیز تر کر کے سچائیوں کو دبا دیا اور جب تاریخی صداقتیں پیش کی جاتیں تو اپنی ہی تشہیر کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ فیا للعجب

ہم نے تحریف کی شہادت اس لیے پیش کی ہے تا کہ ناظرین پر واضح ہو جائے کہ اپنے نظریہ کی تائید کے لیے کیا کچھ نہیں کیا جا سکتا سوال یہ ہے کہ جس خط کے ملنے پر حضرت قاری صاحبؒ کا استنباط نص صریح بن گیا، خط قابل یقین کیسے تسلیم کر لیا جائے؟ یہ خط جو حضرت نانوتویؒ کے نام بھیجا گیا وہ حضرت نانوتوی کے ورثاء کے پاس ہونا چاہیے نہ کہ تذکرہ کے مصنف مولانا نذیر احمد کے پاس، یہ سوال ہی خط کو مشکوک بنانے کے لیے کافی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ جب حضرت حاجی صاحبؒ کا مکتوب گرامی جو نہایت اہم اور تاریخی تھا اس کو مولانا نذیر احمد مرحوم سے حاصل کیوں نہیں کیا گیا اور اس تاریخی خط کو دارالعلوم کے محافظ خانہ محفوظ کیوں نہیں کیا گیا، اصل خط کو محفوظ کرنے کے بجائے حضرۃ الاستاذ علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ کی تحریر محفوظ رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ جس خط کا حوالہ حضرت الاستاذؒ کے ذریعہ دیا گیا ہے وہ حد درجہ مشکوک الصحت ہے، مولانا نذیر احمد صاحب مرحوم اس خط کی موجودگی میں ''تذکرۃ العابدین'' میں دوسری بات کیسے لکھ سکتے تھے، اس لیے اس خط کو پیش نظر رکھ کر جو نکتہ آفرینیاں کی گئی ہیں وہ بے بنیاد اور اصل واقعہ سے بے تعلق ہیں، یہ تو حضرت قاری صاحب کے فکر رسا کا کمال ہے کہ تنکے کا سہارا لے کر ساحل مراد تک پہنچ گئے۔

حضرت قاری صاحبؒ نے یہ ثبوت فراہم کرنے کے بعد حضرت نانوتویؒ تدریس کا کام بلا معاوضہ کیا کرتے تھے، جو طلبہ حضرت والا سے تعلیم حاصل کرتے تھے وہ سفر و حضر میں حضرت کے ساتھ رہا کرتے تھے، اس لیے حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت نانوتویؒ کو تدریس کے لیے مدعو نہیں کیا تھا بلکہ اجراء مدرسہ کے لیے دعوت دی تھی، حضرت قاری صاحبؒ کے الفاظ یہ ہیں:

> ''خلاصہ یہ ہے کہ حاجی صاحب کا حضرت والا کو اطلاع دے کر بلانا تدریس کے لیے نہیں تھا بلکہ اجراء مدرسہ کے لیے تھا جس کے لیے ان بزرگوں میں برسوں

مذاکرے ہوتے رہے"۔ (تاسیس، ص:۴۱)

اس کا صاف وصریح مطلب تو یہی ہوا کہ دارالعلوم الہامی مدرسہ نہیں ہے بلکہ برسوں مذاکرات کے نتیجے میں قائم ہوا، حضرت حاجی صاحب نے اپنے جس خواب کو حضرت مولانا فضل الرحمٰن وغیرہ کے سامنے بیان کیا وہ فرضی داستان ہے، مدرسہ مذاکرات کے بعد وجود میں آیا۔ حالاں کہ بانیٔ اوّل کی وضاحت تو مخطوطہ کے مصنف منشی فضل حق صاحب مرحوم نے بھی بیان کی ہے اور حضرت حاجی صاحب کو ہی بانیٔ اوّل قرار دیا ہے۔ اس کی تفصیل پہلے آچکی ہے، اس کے باوجود حضرت قاری صاحبؒ کو اصرار ہے کہ قیام مدرسہ کا جذبہ حضرت حاجی صاحبؒ میں پیدا کیا تھا۔ (ص:۴۱)

اگر ہم اس مفروضہ کو تسلیم بھی کرلیں کہ قیام مدرسہ کا جذبہ حضرت نانوتویؒ نے پیدا کیا تھا تب بھی حضرت حاجی صاحب کا بانیٔ مدرسہ ہونا ثابت ہے جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے، پھر بھی تاریخ کی روشنی میں حضرت قاری صاحبؒ کا مذاکرات پر اصرار کرنا ثابت نہیں ہوتا۔ یہ عجیب بات ہے کہ جب تاریخی شواہد نے حضرت نانوتویؒ کے بانی ہونے کی نفی کردی تو دور کی کوڑی لاکر مصنفین نے بانی ہونے کا ثبوت فراہم کرنے کی ناکام کوشش کی ہے، ان حضرات کا نظریہ ہے کہ زبردستی ہر بڑی چیز کو کسی عظیم شخصیت سے منسوب کردیا جائے، اسی نظریہ نے بناء کے مسئلہ کو جنم دیا ہے، حضرت مولانا محمد میاں صاحب رقم طراز ہیں کہ:

"اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ دارالعلوم کے پرشوکت تصور سے حضرت حاجی (محمد عابد) صاحب کا ذہن خالی تھا"۔ (تاسیس، ص:۴۲)

مولانا مرحوم نے جس دارالعلوم کو دیکھا اس کی وسعت وشوکت دیکھ کر یہ لکھنے پر مجبور کیا، یہ کون جانتا تھا کہ جس عربی مدرسہ کو مسجد چھتہ میں شروع کیا گیا تھا وہ بہت جلد دارالعلوم بن جائے گا، لیکن مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ الہامی بنیاد پر جس ہستی نے مدرسہ کا آغاز کیا تھا اس کے سامنے مستقبل کے دارالعلوم کا یہی نقشہ تھا، ورنہ تعلیم کا آغاز متوسطات سے نہ ہوتا اور حضرت حاجی صاحبؒ، ملا محمود کو تدریس کے لیے قبول نہ فرماتے اور دارالعلوم کے ایک وسیع

زمین کی خریداری نہ کرتے۔ حضرت حاجی صاحب نے دارالعلوم کا نقشہ [illegible]
اسی کے مطابق زمین خرید کی اور دارالعلوم کا نقشہ بھی تیار [illegible]
حضرت حاجی صاحب کے نام سے اس وقت [illegible]

اس کے باوجود حضرت حاجی صاحب کے ذہن [illegible]
حاجی صاحب کی کردار کشی ہے(۱)۔ [illegible] خواب میں مدرسہ قائم کرنے کی ہدایت [illegible]
کیا اس کے سامنے دارالعلوم کا مستقبل پیش نہ کیا گیا تھا۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب [illegible]
مکی نے اپنی دعاء سحرگاہی میں حضرت حاجی صاحب کے قائم کردہ مدرسہ کو یاد رکھا۔ حضرت
مہاجر مکیؒ نے مدینہ منورہ میں قیام سے حضرت حاجی صاحب کے قیام دیوبند کو افضل بتایا اور
مدرسہ کے فروغ کے لیے ہندوستان واپس کر دیا۔ حضرت صابر علی رحمۃ اللہ علیہ نے قطب [illegible]

(۱) ابھی حالیہ دنوں ڈاکٹر رشید احمد جالندھری کی تصنیف کردہ کتاب "برطانوی ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم" نظر سے گذری، موصوف لکھتے ہیں:

> "سوال یہ ہے کہ اگر حاجی صاحب کے ذہن میں مدرسہ نہیں، مکتب کا تصور تھا تو پھر حاجی صاحب دلی کی درسگاہوں کی بربادی پر افسوس کیوں کرتے؟ اور کیوں لکھتے کہ اگر مدرسہ کا قیام عمل میں نہ آیا تو دینی مسائل اور احکام بتانے والا کوئی نہیں ملے گا۔ کیا مکتب کا قیام دینی مسائل کی تحقیق کے لیے کافی تھا"۔

وہ آگے لکھتے ہیں:

> "چنانچہ مولانا محمد میاں صاحبؒ کی اس رائے سے اتفاق کرنا مشکل ہے کہ حاجی محمد عابد صاحبؒ مدرسہ کی نئی عمارت بنانے کے خلاف تھے یا ان کے ذہن میں مدرسہ نہیں مکتب کا تصور تھا، حالانکہ دیوبند میں پہلے سے مکتب بھی موجود تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا محمد قاسمؒ کی اپنی مستقل حیثیت ہے، جو اپنے بے داغ کردار اور پاکیزہ سیرت کی بنا پر ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہے۔ اس سے اظہار عقیدت کے لیے نہ تو تاریخی حقائق کا انکار ضروری ہے اور نہ ہی سید محمد عابدؒ کی پاکیزہ شخصیت کو نظر انداز کرنا یا اس کے وقار کو مجروح کرنا ضروری ہے۔ (ص: ۱۲۳-۱۲۴)

واضح ہو چکا تھا کہ حضرت حاجی صاحب کے بغیر دار العلوم کو حاصل نہیں ہو سکتا اور وہ محدود ہو کر رہ جائے گا، کیا کسی میں یہ تاب و تواں ہے جو حضرت مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی پر شوکت دار العلوم کے تصور سے خالی بتادے، یہ بھی تو حضرت نانوتویؒ کے مقابل عالم وعلامہ نہیں تھے، اسی طرح حضرت حاجی صاحب رحمۃ للہ علیہ بھی کوئی زبردست فاضل تو نہیں تھے لیکن قلب مصفّٰی کی دولت عظمٰی سے مالا مال تھے اور ان کی شخصیت مرجع خلائق تھی۔

مگر حضرت قاری صاحب کو اپنے قائم کردہ نظریہ پر اس قدر اصرار ہے کہ وہ سب کچھ دیکھنے اور پرکھنے کے باوجود حضرت حاجی صاحب میں تعلیمی بیداری حضرت نانوتویؒ سے مذاکرت کو ہی قرار دیتے ہیں، اس مزعومہ کو ثابت کرنے کے لیے اس کا بھی خیال نہیں رکھا گیا کہ روایت کس درجہ کی ہے اور راوی کون ہیں؟ ایسا ضرور کیا گیا ہے کہ روایت کے کسی لفظ کو بنیاد بنا کر چندہ کو بھی حضرت نانوتویؒ کی ایجاد بتانے میں تامل نہیں کیا گیا ہے چناں چہ حضرت قاری صاحب رقمطراز ہیں کہ:

> ''حضرت والا نے مذاکرات کے ذیل میں صرف قیام مدرسہ ہی کا جذبہ ان میں پیدا نہیں کیا بلکہ بطور اصول کے یہ بھی ذہن نشیں کیا کہ بناء مدرسہ چندہ کے اصول پر ہونی چاہیے''۔ (تاسیس ص:۴۵)

حضرت قاری صاحبؒ نے اسی مشکوک الصحۃ خط کو اپنا مستدل بنایا ہے ورنہ تذکرۃ العابدین اور سوانح مخطوطہ میں کہیں مذاکرات کا اشارہ ہے اور نہ چندہ کرنے کا اصول ہی ان میں مذکور ہے، مولانا فضل الرحمٰن صاحب مرحوم نے ۱۲۹۸ھ کے جلسہ تقسیم انعام میں ایک دعائیہ نظم پڑھی تھی، اس میں بھی حضرت حاجی صاحبؒ کے اپنا رومال پھیلا کر چندہ مانگنے کی بات کہی گئی ہے، اس میں ایک شعر یہ بھی ہے کہ ؎

لیک ایں طائر ہمایوں فال ☆ شد ز قاسم پر و بالش

حضرت قاری صاحبؒ کے ذہن رسا نے قاسم کو حضرت نانوتویؒ کی طرف موڑ دیا ہے حالاں کہ شاعر کا اشارہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے جن کی زیارت وہدایت

کے بعد حضرت حاجی صاحب نے قصبہ کے معتبر اہل علم کو دعوت دی اور مدرسہ قائم کرنے کی تجویز پیش فرمائی جس کو سب نے قبول کرلیا اور اسی مجلس میں چندہ کی ابتدائی صورت عمل میں آئی، تو دراصل قاسم حضرت نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ ہیں، آپ ہی کا ارشاد گرامی ہے: انما انا قاسم واللہ یعطی ۔ بلاشبہ قاسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے، اللہ تعالی جو عطا فرماتے ہیں وہی آپ تقسیم فرماتے ہیں، حضرت حاجی صاحب کو شاعر نے طائر ہمایوں فال کہا ہے اس کو بال و پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائے ہیں جس کی بین شہادت الہامی خواب ہے، ورنہ حضرت حاجی صاحبؒ میں یہ وسعت فکر ونظر کہاں پیدا ہوتی؟ بلاشبہ حضرت حاجی صاحب گوشہ نشیں اور درویش خدامست تھے، اجتماعی زندگی سے وہ یک گونہ الگ تھے لیکن سرکار رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان نبوت نے حضرت حاجی صاحبؒ کو اس مصاف علم وفضل میں کھڑا کردیا جس کے چشمے کبھی خشک نہیں ہوں گے، چناں چہ آج تک پوری آب وتاب کے ساتھ علم وفضل کے چشمے جاری ہیں اور تشنگان علوم نبوت ان سے حسب استعداد سیراب ہو رہے ہیں۔

دارالعلوم کے ارباب حل وعقد نے دارالعلوم کا طغرہ انما انا قاسم واللہ یعطی بنایا ہے اس طغرہ سے ذہن حضرت نانوتویؒ کی طرف منتقل ہوتا ہے، ہوسکتا ہے کہ اسی تبادر ذہنی کے لیے اس حدیث کا انتخاب کیا گیا ہو ورنہ علم کے تعلق سے آیات کریمہ کیا کم تھیں؟ میں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے غالی معتقدین اور حضرت شیخ عبدالحق ردولویؒ کے غالی معتقدین کو دیکھا کہ وہ اپنی تحریروں کے سرنامہ پر ھو المعین اور ھو الحق لکھتے ہیں، بظاہر تو اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی لیکن در پردہ اشارہ تو ان شخصیات کی طرف ہے ہی، حیرت ہے کہ جو دیوبند بدعات وخرافات ہی نہیں بلکہ وہ رسم ورواج جن میں بدعات کا وہم ہوتا ہے اس سے بھی اجتناب کی تلقین کرتا ہے وہ اس طرح کے طغرہ کو کیسے گوارا کر رہا ہے، یہی نہیں اکابر دیوبند کی قبروں پر عالیشان کتبات بھی لگے ہوئے ہیں، ان میں مسابقت کے مرحلے بھی راقم الحروف کے سامنے ہیں، پہلے کتبات چھوٹے اور معمولی تھے، کسی نے شاندار کتبہ لگوایا تو بعد میں پرانے

کتبات نکال کر نئے عالیشان کتبات لگائے گئے (۱)، میں تو یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ دارالعلوم کے ارباب وعقد کے سامنے ممانعت کی حدیث نہیں ہے، یہ الگ بات ہے کہ ان احادیث کے مفہوم میں تاویل کی گئی ہو، ابھی دو چار برس پہلے تک وہ انار کا درخت بھی موجود تھا جس کے سایہ میں مدرسہ کے آغاز کی روایت بیان کی جاتی ہے، اس کو راتوں رات کسی نے جڑ ہی سے صاف کر دیا، جزاہ اللہ خیر الجزاء۔ دارالعلوم دیوبند کے جشن صد سالہ کے موقعہ پر انار کے اس درخت سے تبرکاتی فتنہ اٹھ کھڑا ہوا تھا ہزاروں عقیدت مندوں نے اس کی پتیاں نوچ نوچ کر اپنی جیبیں بھر لی تھیں، ان پتیوں کو وہ نہایت متبرک سمجھ رہے تھے، کیا اس طرح کے تبرک کی کوئی اصل شریعت اسلامیہ میں موجود ہے؟ اگر ہے تو ہم بھی نہایت ادب واحترام سے اس کا خیر مقدم کریں گے۔

یہ چند باتیں اس تناظر میں کہی گئی ہیں کہ جب دارالعلوم میں یہ سب کچھ گوارا ہے تو تاریخی حقائق کو مسخ کرنے کی سعی ناروا کیوں نہیں جاسکتی، چناں چہ حضرت قاری صاحب نے حضرت نانوتویؒ کو بانئ دارالعلوم ثابت کرنے کے لیے دور از کار تاویلات کا وہ دروازہ کھولا جو ان کے شایان شان ہرگز نہیں تھا، حد تو یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت والا کی آمد و رفت دیوبند میں بہ کثرت تھی لیکن جب حضرت حاجی صاحبؒ نے دعوت دی تو تشریف نہیں لائے اور اپنے مکتوب میں خوشی کا اظہار فرما کر ملا محمود صاحب کو تدریس کے لیے بھیج دیا، اس نہ آنے کی توجیہ کرتے ہوئے حضرت قاری صاحب نے دو باتیں بیان فرمائیں ہیں، ایک تو حضرت نانوتویؒ کا انکسار و تواضع اور دوسری بات یہ کہ انگریزی حکومت حضرت نانوتویؒ کو کھلے باغیوں میں شمار کرتی تھی اس لیے حضرت نانوتوی حضرت حاجی صاحبؒ کی دعوت پر تشریف نہیں لائے۔

لیکن یہ دونوں توجیہات قابل اعتنا نہیں ہیں، پہلی بات تو یہ کہ اجتماعیت اور تواضع

(۱) ابھی کچھ دن پہلے حضرت نانوتویؒ کی قبر پر پرانا کتبہ نکال کر نیا عالیشان کتبہ لگایا گیا ہے، جس پر حضرت نانوتویؒ کو بانی دارالعلوم لکھا گیا ہے، جو پرانے کتبہ پر نہیں لکھا ہوا تھا، اور حضرت حاجی صاحبؒ کی قبر پر جو کتبہ لگا ہوا ہے اس پر ان کو شروع سے ہی بانی دارالعلوم دیوبند لکھا ہے۔

وانکسار میں مغایرت نہیں ہے جو دونوں کو یکجا نہ ہونے دے، پھر ایسے موقعہ پر بقول حضرت قاری صاحب اجرار مدرسہ کے لیے مدعو تھے تشریف نہ لانا نقصان دہ فیصلہ تھا، اس طرح کی تقریبات میں اہم شخصیات کی آمد بہت سودمند ثابت ہوتی ہے، اسی مفاد کے پیش نظر اہم حضرات مدعو کئے جاتے ہیں، معلوم ہوا کہ حضرت نانوتویؒ کو حضرت حاجی صاحب نے اجرار مدرسہ کے لیے نہیں تدریس کے لیے بلایا تھا، حضرت والا نے کسی وجہ سے تدریسی ملازمت کو پسند نہیں فرمایا، ورنہ حضرت نانوتویؒ کو اجتماعات سے گریز نہیں تھا، حضرت قاری صاحبؒ نے اس کے شواہد خود پیش فرمائے ہیں کہ حضرت والا دارالعلوم کے سالانہ اجلاس اور امتحانات کے موقعوں پر تشریف لائے ہیں، جلسہ کو خطاب بھی کیا ہے، پھر یہ کہنا کہ:

> ''اس کا ایک ظاہری اور بڑا سبب تو حضرت والا کی زندگی اور آپ کا قلبی مقام تھا اور وہ یہ کہ آپ کمال تواضع وانکسار کے سبب امتیاز وشہرت اور نام آوری کے مواقع سے طبعاً گھبراتے تھے''۔ (تاسیس، ص:۴۸)

حضرت نانوتویؒ کے علم وفضل اور تواضع وانکسار سے کس کو انکار ہوسکتا ہے سوال تو صرف یہ ہے کہ جلسوں میں انکسار مانع نہ تھا تو اس موقعہ پر کیوں حائل ہوگیا، مباحثۂ شاہجہاں پور میں تو اژدہام کثیر تھا، دیانند سرسوتی کا تعاقب کرتے ہوئے روڑکی تشریف لے گئے تب بھی بڑا ہجوم تھا، جلسوں میں تو بھیڑ ہوتی ہی ہے اور جلسہ کو کامیاب بنانے کے لیے جلسہ کی تشہیر بھی بڑے پیمانے پر ہوتی ہے تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ جمع ہوجائیں۔ بلاشبہ حضرت نانوتویؒ کے دور میں جو جلسے ہوئے ہیں ان میں بھیڑ خاصی رہی ہوگی، پھر حضرت قاری صاحب کے اس ارشاد کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے کہ ناموری کے مواقع سے گھبراتے تھے۔

دوسری توجیہ اس سے بھی کہیں زیادہ بودی ہے کہ حضرت والا برطانوی گورنمنٹ کے کھلے ہوئے باغیوں میں تھے۔ زیادہ اندیشہ تھا کہ اس موقعہ پر گرفتار کر لئے جاتے یا مدرسہ کا قیام روک دیا جاتا، یہ ایک تاریخی مغالطہ دینے کی کوشش کی گئی ہے، بلاشبہ یہ حضرت نانوتویؒ برطانوی حکومت کے باغیوں میں تھے، ان کے نام بغیر ضمانتی وارنٹ بھی تھا لیکن یہ معرکۂ شاملی کے معاً

بعد کی بات ہے، چناں چہ حضرت نانوتویؒ اس زمانہ میں روپوش تھے۔ کسی ایک مقام پر قیام نہیں کرتے تھے، کبھی بوڑیہ کبھی گمتھلہ، کبھی لاڈوہ کبھی پنجلاسہ، کبھی جمناپار، اور کبھی دیوبند روپوش رہا کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں بے سروسامانی کے عالم میں حج کا ارادہ فرمالیا۔ والدین نے بھی بخوشی اجازت دیدی کہ روپوشی کی بلا سے تو نجات مل جائے گی۔

حج سے واپسی کے بعد برطانوی حکومت نے عام معافی کا اعلان کردیا البتہ چند اشخاص کی فہرست جاری کی گئی جو حکومت کو مطلوب تھے، اس فہرست میں حضرت نانوتوی کا اسم گرامی نہیں تھا۔ اعلان معافی کے بعد حضرت نانوتہ اور دیوبند رہا کرتے تھے، پہلے دہلی کے جس مطبع میں تصحیح کیا کرتے تھے وہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں تباہ وبرباد ہوگیا تھا بعد میں حضرت نانوتویؒ میرٹھ میں منشی ممتاز علی مرحوم کے مطبع سے وابستہ ہوگئے تھے۔ اسی ملازمت کے دوران دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا اور حضرت حاجی صاحب نے میرٹھ میں خط ارسال فرمایا تھا اور حضرت نانوتویؒ کو اجراء مدرسہ کے لیے نہیں مدرسی کے لیے بلایا تھا، اجراء مدرسہ کا خط میں ذکر نہیں ہے اور نہ اس کے شواہد ہیں۔

ہاں تو اگر حضرت نانوتویؒ کی گرفتاری کا اندیشہ تھا تو یہ کام میرٹھ میں زیادہ آسان تھا، یہاں سرکاری عملہ کی بڑی تعداد تھی اور مطبع بھی گمنام نہیں تھا نہ حضرت نانوتویؒ کی شخصیت گمنام تھی طلبہ کی ایک جماعت کو درس دیا کرتے تھے، لوگوں کی آمدورفت جاری تھی، پھر عام معافی کے بعد گرفتاری کا اندیشہ کیوں ہوتا، اس لیے حضرت نانوتویؒ کی گرفتاری کا اندیشہ ظاہر کرنا حضرت قاری صاحبؒ کا تاریخی مغالطہ دینا ہے اس سے زیادہ اس توجیہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

لیکن حضرت قاری صاحبؒ کا نقطۂ نظر اپنی جگہ پر اٹل ہے کہ دارالعلوم کا قیام حضرت نانوتویؒ کی حرکت وعمل کا نتیجہ ہے وہ اسی لیے میرٹھ سے تشریف نہیں لائے کہ آغاز مدرسہ میں ہی میں حکومت کی مشکوک نظریں اس پر نہ پڑنے لگیں، حضرت حاجی صاحبؒ چوں کہ تارک الدنیا تھے ملکی سیاست سے وہ بالکل دور تھے اس لیے حکومت کو ان کے بارے میں شبہ نہیں ہوسکتا تھا، یہ بھی حضرت قاری صاحبؒ کی ایک توجیہ ہے ورنہ اگر واقعی اس طرح کا کوئی خطرہ تھا تو

جب حضرت حاجی صاحبؒ نے مجلس شوریٰ کا رکن نامزد کیا تھا تو اس اندیشہ کی بنیاد پر رکنیت قبول کرنے سے انکار کردینا چاہیے تھا، ایسا حضرت نانوتویؒ نے نہیں کیا بلکہ سالانہ امتحان کے موقعہ پر تشریف لائے اور طلبہ کے امتحانات لیے اور خطاب بھی فرمایا، معلوم ہوا کہ اس طرح کا کوئی خطرہ نہیں تھا، یہ توجیہ تو اس زاویہ اور نگاہ سے حضرت قاری صاحبؒ نے کی ہے کہ کسی طرح سے حضرت نانوتویؒ کا بانی ہونا ثابت ہوجائے لیکن تاریخی صداقتیں دوراز کار توجیہات سے مسخ نہیں کی جاسکتی ہیں۔

حضرت قاری صاحب نے اس توجیہ کے شواہد میں مدرسہ منبع العلوم گلاوٹھی کو پیش کیا ہے، یہ شہادت دستاویزی نہیں سنی ہوئی بات ہے جو حضرت قاری صاحب نے حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحبؒ سے کسی موقعہ پر سنی تھی، اسی کو خطرہ کی بنیاد بنا کر حضرت قاری صاحب نے نتیجے کے طور پر یہ فرمایا کہ اسی لیے حضرت والا دیوبند اجرار مدرسہ کے لیے تشریف نہیں لائے۔

اس سلسلہ میں ہمیں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ گلاوٹھی کا مدرسہ پہلے وجود میں آیا یا دیوبند مدرسہ کا قیام عمل میں آیا؟ ظاہر ہے کہ دیوبند کے بعد دیگر مدارس وجود میں آئے، گلاوٹھی کا مدرسہ برطانوی حکومت کی نظر میں آگیا اور مدرسہ عربی دیوبند پر اس کی نظر نہیں پڑی جب کہ روپوشی کے زمانہ میں حضرت نانوتویؒ کو دیوبند میں بار بار تلاش کیا گیا، اس کا منطقی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ تھا کہ محض شک کی بنیاد پر دارالعلوم کو برطانوی حکومت بند کردیتی اس نے ایسا نہیں کیا، معلوم ہوا کہ حکومت کے خفیہ اداروں نے اس پر توجہ نہیں دی کہ اس کے بانی مبانی حضرت حاجی صاحبؒ ہیں اور ان کے دست و بازو دیوبند کی دو شخصیات ہیں جن کا تعلق سرکار کے تعلیمی اداروں سے رہا ہے۔ مدرسہ کے ابتدائی چند برسوں میں حضرت نانوتویؒ کا مدرسہ سے ضابطہ کا کوئی تعلق نہیں تھا، البتہ حضرت حاجی صاحب نے مجلس شوریٰ کا رکن نامزد فرمادیا تھا۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دیوبند تشریف لانے کے بعد حضرت نانوتویؒ نے عربی مدرسہ کو دارالعلوم بنانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے اور جس جدوجہد کو کام میں لائے ہیں وہ ناقابل فراموش ہے، حضرت قاری صاحب حضرت نانوتویؒ کو تعلیمی تحریک کا علمبردار

قرار دیتے ہیں، بلاشبہ حضرت نانوتویؒ کی تحریک پر چند مدرسے وجود میں آئے لیکن حضرت قاری صاحب نے اس تعلیمی تحریک کے اصول وضوابط سے کوئی بحث نہیں کی اور نہ ہی ایسے شواہد پیش کیے جن سے تحریک پر کچھ روشنی پڑتی بہر حال حضرت قاری صاحبؒ نے حضرت نانوتویؒ کو بانی مدرسہ تسلیم کرانے کے لیے جو دلائل وشواہد پیش کیے ہیں ان کا تجزیہ گذشتہ صفحات میں آچکا ہے، درمیان میں حضرت نانوتویؒ کی اصلاح تحریک پر بحث کی گئی ہے، یہ ہمارے موضوع سے خارج ہے، اس کے لیے اس پر ہم کوئی تبصرہ نہیں کریں گے۔

اصلاحی تحریک کا ذکر کرنے کے بعد حضرت قاری صاحبؒ پھر بانی کے موضوع پر لوٹ آئے اور یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ چوں کہ روایات بنا متعدد ومختلف ہیں اور رواۃ بھی ثقہ ہیں، اس لیے روایات میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ متعدد بانی تسلیم کر لئے جائیں اور نوعیت کا لحاظ کرتے ہوئے بانی کو تقسیم کر دیا جائے اور بانی اعظم حضرت نانوتویؒ کو مان لیا جائے یہ ہے حضرت قاری صاحبؒ کا نقطۂ نظر، چوں کہ ہم روایات پر تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں، اس کو دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، البتہ اس موقعہ پر یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ روایات کے سلسلہ میں راوی کے تقدس کے بجائے اصل روایت کو پیش نظر رکھ کر وہ کڑیاں ملائیں جائیں جو دیگر روایات میں ردوبدل کے ساتھ موجود ہیں اور اصل روایت سے ان کو کیا مناسبت ہے، یہ بھی دیکھنا ہے کہ راوی کس زمانہ کا ہے اور اس نے اپنی سند بیان کی ہے یا نہیں؟ آپ دیکھیں گے کہ جن روایات پر حضرت قاری صاحبؒ نے اپنے نقطۂ نظر سے اعتماد کیا ہے وہ اصولی طور پر ناقابل اعتبار ہیں، صرف تقدس کو روایات کا معیار نہیں بنایا جاسکتا۔ حضرات محدثین کسی راوی کے تقدس کو معیار نہیں بناتے، چنانچہ حضرت جعفر صادقؒ کو محدثین تقویٰ وتقدس کی بنا پر قبول نہیں کرتے بلکہ بقول مقدسیؒ کان یاتی من آبائہ العجائب کہہ کر روایت رد کر دیتے ہیں۔

حضرت نانوتویؒ کے زمانہ کے بہت بعد کے راویوں کو کیسے تسلیم کر لیا جائے جب کہ انھوں نے اوپر کے راویوں کا ذکر نہیں کیا ہے اور انھیں کو بنیاد بنا کر حضرت نانوتویؒ کو بانی اعظم تسلیم کرانے کی ہر ممکن توجیہات کی گئی ہیں، لیکن جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے چناں چہ حضرت

قاری صاحبؒ کو بار بار واشگاف الفاظ میں لکھنا پڑا کہ بانی حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ ہیں، ملاحظہ فرمایئے حضرت قاری صاحب کے الفاظ:

''مثلاً حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ اجرار تعلیم وافتتاح مدرسہ اور فراہمیٔ وسائل کی حیثیت سے بلاشبہ بانی ہیں جس میں پہل اور اوّلیت انہی کا حصہ ہے''۔

(تاسیس،ص:٦٦)

اس صحیح اور سچے اعتراف کے بعد حضرت قاری صاحب نے ان شرکار مجلس کو بھی بانیوں میں شمار کیا ہے جو حضرت قاری صاحبؒ کی دعوت پر مجلس مشاورت میں شریک ہوئے تھے، اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کو جو بہ حیثیت صدر مدرس بلائے گئے تھے ان کو محدث اوّل ہونے کی وجہ سے بانی ٹھہرانے کی کوشش کی گئی، علاوہ ازیں حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہیؒ کو اس بنار پر بانی کہنے کی جرأت کی گئی کہ فقہی مسلک اور اس میں تصلب پیدا کرنے کا آغاز حضرت گنگوہیؒ نے کیا تھا۔

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہر موضوع پر دسترس رکھنے والے اپنے اپنے مضمون کے لحاظ سے بانی ہوں گے اس کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہوگا ہمیں حیرت ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ کی نظروں سے ملا محمود کیسے اوجھل ہوگئے یہ تو تعلیم کا آغاز کرنے والی شخصیت ہے ان کو بھی بانیوں کی فہرست میں شامل کرنا چاہیے تھا، حضرت قاری صاحبؒ کی یہ تمام تر کاوشیں اور نکتہ آفرینی صرف اس لیے ہے کہ حضرت نانوتویؒ کو بانی تسلیم کرالیا جائے، پھر یہی نہیں کہ بانی بلکہ بانیٔ اعظم۔ کیوں کہ جب متعدد بانی تسلیم کرالئے جائیں گے تو بانیٔ اعظم کا تاج حضرت نانوتویؒ کو پہنا دیا جائے گا چناں چہ حضرت قاری صاحب نے یہی کیا اور مستقبل کا راستہ ہموار کرنے کی جدوجہد کی لیکن اہتمام ہاتھوں سے نکل گیا۔ اسی پر بحث کو جاری رکھتے ہوئے حضرت قاری صاحبؒ نے فرمایا کہ:

''پس تاریخی طور پر بلاشبہ مدرسہ دیوبند کی تاسیس کے سلسلہ میں ان سب اکابر کا ہاتھ ہے لیکن عموماً بانی کا لفظ بولتے وقت جمع الکل اور روح الکل ہونے کی شان چوں کہ

حضرت نانوتویؒ میں نمایاں ہے یہ اس لیے بحیثیت بانی انہی کا نام زبانوں پر جاری ہوا اور خواص وعوام میں ابتدا رہی سے اس کا چرچا پھیل گیا"۔(تاسیس:ص:۶۷-۶۸)

تاریخی طور پر ہمیں اس سے انکار نہیں کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی سربراہی میں اہل شوریٰ نے بھرپور تعاون پیش کیا اور مدرسہ کی تعمیر وترقی میں نمایاں کردار ادا کیا، اس منطق کو کون تسلیم کرسکتا ہے کہ جتنے معاونین ہیں وہ سب بانی ہیں، صداقت تو یہ ہے کہ بانی ایک ہوتا ہے اور وہ اپنے معاونین بنالیتا ہے، رہا سوال حضرت نانوتویؒ کے اسم گرامی کا زبانوں پر جاری ہونے کا یہ سب کچھ تشہیر اور پروپیگنڈہ کا نتیجہ ہے ورنہ مدرسہ "عربی" دیوبند کی جو رودادیں شائع ہوئیں ہیں ۱۳۱۳ھ سے ۱۳۲۸ھ کی رودادیں میرے سامنے ہیں ان میں کہیں بھی حضرت نانوتویؒ کو بانی نہیں لکھا گیا، ہر ایک روداد کے آخر میں حافظ احمد صاحبؒ نے سابق سرپرست ہی لکھا ہے، بانی لکھنے کی جرأت بیجا نہیں کی ہے۔ ہاں حافظ احمد صاحب ۱۳۲۶ھ تک اپنا نام صرف احمد لکھتے تھے۔ البتہ ۲۸-۱۳۲۷ھ کی روداد میں محمد احمد لکھا گیا ہے ہمیں اس سے بحث نہیں بحث تو اس سے ہے کہ حضرت نانوتویؒ کو سرپرست سے یکایک بانی اور پھر بانیٔ اعظم بنادیا گیا، پھر اسی تشہیر اور پروپیگنڈہ کو تاریخی حیثیت دے دی گئی اور حضرت قاری صاحب کے بقول خواص وعوام کی زبان پر بانی حضرت نانوتویؒ چڑھ گئے، پلٹ کر نہ دیکھنے کی زحمت نہ فرمائی کہ "ایں ہمہ آوردۂ تست"۔

اس سلسلۂ بنا کو آگے بڑھاتے ہوئے حضرت قاری صاحب نے "جمع روایات کا احسن طریقہ" کا عنوان قائم کیا اور ہر روایت کو بلا جرح وتعدیل تسلیم کرتے ہوئے یہ نتیجہ پیش فرمایا کہ بانی سب ہی ہیں نوعیتوں میں فرق ہے کوئی کسی حیثیت سے بانی ہے اور کوئی کسی حیثیت سے بانی ہے، اس تحریر کا مقصد بھی یہی ہے کہ ان سب میں بانیٔ اعظم حضرت نانوتویؒ کو تسلیم کرلیا جائے۔ حالاں کہ جمع روایات کے لیے فنی نقطۂ نظر سے ضروری ہے کہ تمام روایات کے راویوں کے زبان ومکان اور ان کے اسناد پر نظر رکھی جائے، اور مضمون کی مطابقت کا تجزیہ کیا جائے حضرت قاری صاحبؒ نے جمع روایات میں ایسا کوئی تجزیہ پیش نہیں کیا جو متعدد روایات کی حیثیت اور ان کے رد وقبول کی بات واضح ہوتی، چوں کہ نقطۂ نظر متعین ہے اسی کی تائید

وتصویب کے لیے اتنی طویل بحث کرنا پڑی ورنہ بات بالکل واضح اور صاف ہے کہ اصل بانی حضرت حاجی صاحبؒ ہیں اور بعد میں ان کو ہر سمت سے تعاون وتائید حاصل ہوئی یہ الگ بات ہے کہ چند حضرات نے حضرت نانوتویؒ کی جدوجہد اور مساعیٔ جمیلہ کو سامنے رکھتے ہوئے ان کو بانی کہہ دیا، اسی طرح کسی نے مولانا فضل الرحمٰن صاحب اور مولانا محمد یعقوب صاحب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو بانی کہہ دیا، یہ سب کچھ ان حضرات کے تعاون کی بناء پر کیا گیا۔

رہی یہ بات کہ روایات کس طرح چل پڑتی ہیں، اس کی صرف ایک مثال مسئلہ کو سلجھانے کے لیے کافی ہوگی، پہلی بار شیخ محمد اکرام نے اپنی کتاب میں یہ لکھا ہے کہ حضرت نانوتویؒ اور سر سید دونوں مولانا مملوک العلی کے شاگرد تھے، اسی روایت کو بعد میں آنے والے اہل قلم نے اس قدر دہرایا کہ ایک سچی روایت بن گئی حالاں کہ سر سید نے قدیم دہلی کالج میں داخلہ ہی نہیں لیا تھا اور نہ مولانا مملوک العلی صاحب سے شرف تلمذ حاصل کیا، اس کے باوجود کسی نے دونوں کو ہم سبق قرار دیا اور کسی نے ایک ہی استاذ کا دونوں کو شاگرد قرار دیا جب کہ ایک تاریخی حقیقت یہ تھی کہ دونوں کی ملاقات بھی ثابت نہیں ہے، البتہ غائبانہ تعارف کی بنیاد پر ایک دوسرے کی قدر کرتے تھے اور ایک دوسرے کے کاموں کو سراہتے تھے۔

تو کیا یہاں بھی جمع روایات کی صورت پیدا کر کے یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ حضرت نانوتویؒ اور سر سید ہم سبق نہ سہی ایک ہی استاذ کے شاگرد ضرور تھے، یہی فلسفہ حضرت قاری صاحبؒ سمجھا رہے ہیں، روایات میں جمع وتطبیق کی صورت اس وقت پیدا کی جاتی ہے جب روایات کی اصل موجود ہو بے بنیاد اور مدت دراز کے بعد کی روایات میں جمع وتطبیق ناقابل قبول مغالطہ ہے۔ سارا زور حضرت قاری صاحبؒ نے اسی پر صرف کیا ہے چناں چہ ثبوت میں پھر وہی حوالے دہرائے گئے جن کا تجزیہ گذشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے، مثلاً مولانا منصور علی خاں کی تحریر، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی نائب مہتمم کا پمفلٹ، دار العلوم کی مسجد کا کتبہ، مسجد کی تعمیر مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کے دورِ اہتمام میں ۱۳۲۸ھ میں ہوئی، اس کتبہ میں یہ عبارت لکھی گئی، بزمانہ مولانا حافظ محمد احمد خلف الرشید حضرت مولانا محمد قاسم قدس سرہٗ بانیٔ مدرسہ در سنہ یک

ہزار وسہ صد و بست وہشت (۱۳۲۸ھ) انجام پذیرفت"۔

ہم آپ کو یاد دلاتے چلیں کہ ۱۳۲۸ھ کی روداد سالانہ میں مولانا حافظ محمد احمد صاحب نے حضرت نانوتویؒ کو سابق سرپرست لکھا ہے جب کہ بانی تسلیم کرانے کی تشہیر ۱۹۰۵ء میں لفٹیننٹ گورنر کی آمد پر شروع کی گئی، ۱۳۲۸ھ میں بانی بھی لکھتے ہیں اور سابق سرپرست بھی، دراصل اعتراضات سے بچنے کی یہ ایک تدبیر تھی، حضرت قاری صاحبؒ نے حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی بھی ایک تحریر بانی کے سلسلہ میں پیش کی ہے، حالاں کہ یہی مولانا سندھی، حضرت نانوتویؒ اور سرسید کو مولانا مملوک العلی کا شاگرد بتاتے ہیں، جو سراسر غلط ہے، پھر مولانا کی اس روایت کو کیسے قبول کرلیا جائے جب کہ حضرت نانوتویؒ کو بانی قرار دینے کی تشہیر اپنے عروج پر تھی۔

اس کے بعد حضرت علامہ کشمیریؒ کی تقریر کا حوالہ، حضرت میاں سید اصغر حسین صاحب کا حوالہ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی تحریروں کو بھی ثبوت میں پیش کیا ہے۔ حالاں کہ یہ تمام شخصیات بہت بعد کی ہیں، اوران حضرات نے وہی بات دہرائی ہے جس کا آغاز مولانا حافظ احمد صاحبؒ ۱۹۰۵ء میں کیا تھا، ثبوت میں وزن تو اس وقت ہوتا جب دار العلوم کے ابتدائی زمانہ کی شخصیات کو ثبوت میں پیش کیا جاتا، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی نے اپنی کتاب سوانح قاسمی جلد دوم میں رقم طراز ہیں:

> "اپنے موضوع بحث کے لحاظ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دیوبند میں مدرسہ جس وقت ابتدار میں قائم ہوا حسب تحریر مصنف امام (مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ) وہ خود اور ہمارے سیدنا الامام الکبیر (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) اس زمانہ میں بسلسلۂ ملازمت مطبع مجتبائی میرٹھ میں مقیم تھے۔ دیوبند میں خواہ وہ جس پیمانہ پر بھی ہو مدرسہ قائم ہوگیا، مدرس اور طلبہ بھی آگئے، چندہ بھی فراہم ہوا، اس کے بعد سیدنا الامام الکبیر تک یہ بشارت پہنچائی گئی۔ دیوبند والوں نے دینی تعلیم کے اجتماعی نظام کے افتتاح میں سبقت کی، مدرسہ کی مجلس شوریٰ کے ایک رکن وہ بھی قرار دیئے گئے۔ ۱۲۸۳ھ میں مدرسہ قائم ہوا، اس کی روداد نقل کر چکا ہوں کہ طلبہ کے امتحان لینے والوں میں دوسروں

کے ساتھ آپ کا ذکر بھی خاص طور پر کیا گیا ہے۔ چندہ دہندوں کی فہرست میں آپ
کے اسم گرامی کے آگے رقم درج ہے جو آخر وقت تک جاری رہی، اتنی بات تو یقینی ہے
کہ حاجی سید محمد عابد صاحب مرحوم کے خط میں دیوبند تشریف آوری کی دعوت جو آپ
کو دی گئی تھی یہ اس وقت یہ دعوت، دعوت ہی بن کر رہ گئی۔ صحیح طور پر یہ بتلانا دشوار ہے
کہ یہ صورت حال کب تک قائم رہی۔ (سوانح قاسمی، جلد دوم، ص: ۶۵-۶۶)

مولانا گیلانیؒ نے یہ کتاب حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی فرمائش پر لکھی، اس پر حضرت قاری صاحب کا طویل مقدمہ بھی ہے اور جا بجا حاشیے بھی ہیں، تعجب ہے کہ اس کھلی ہوئی عبارت پر کوئی حاشیہ نہیں ہے، جس میں واشگاف الفاظ میں مولانا گیلانی نے فرمایا کہ حضرت نانوتویؒ جب میرٹھ میں قیام پذیر تھے، اسی زمانہ میں دیوبند میں مدرسہ قائم ہو گیا تھا، حضرت حاجی صاحبؒ کی دعوت پر تشریف نہیں لا سکے اور کب تک تشریف آوری نہیں ہوگی، یہ بتلانا دشوار ہے، یہ تو ہے مولانا گیلانی کا خیال۔ لیکن ہم شواہد کی روشنی میں یہ بتا چکے ہیں کہ قیام مدرسہ کے کم از کم سات سال بعد حضرت نانوتویؒ دیوبند تشریف لائے ہیں، حضرت قاری صاحبؒ کو بھی اس کا اعتراف ہے لیکن عدم موجودگی کو تاسیس پر اثر انداز نہیں مانتے۔

دنیا جانتی اور سمجھتی ہے کہ کسی ادارہ کا محرک و مجوز اور اس کا ابتدائی موسس ہی بانی کہا جاتا ہے۔ بعد میں جو لوگ اس میں شریک ہوتے ہیں وہ بانی نہیں کہلاتے اور نہ ان کو کوئی بانی کہتا ہے مگر اپنے مطمح نظر کو ثابت کرنے کے لیے بہت سے حضرات کو بانی کہنے میں جھجک محسوس نہیں فرمائی، غالباً تاریخ کا یہ پہلا فلسفہ ہے، حیرت تو اس پر ہے کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کو بہ حیثیت صدر مدرس دعوت دی گئی۔ ان کو بھی بانیوں میں شمار کرا دیا گیا، پھر بانیوں کی نوعیتیں بیان کی گئیں، نوعیتوں کا لحاظ کرتے ہوئے حضرت قاری صاحبؒ کو بھی بانی کہنے میں مضائقہ نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ دارالعلوم کو جو وسعت و شہرت آپ کے دور اہتمام میں حاصل ہوئی اس سے پہلے اس کا تصور بھی نہیں تھا۔ مگر ہاں حضرت قاری صاحب اپنے نقطۂ نگاہ پر اٹل ہیں کہ

جب تک حضرت مولانا گیلانی فرماتے ہیں:

"کچھ بھی ہو سچی بات یہی ہے کہ یہی واقعہ ہے اور اسی کو واقعہ ہونا بھی چاہیے کہ دارالعلوم دیوبند کی جب بنیاد پڑی تھی، سیدالامام الکبیر دیوبند میں موجود نہ تھے، اسی لیے قیام دارالعلوم کی ابتدائی داستان میرے دائرۂ بحث سے سچ پوچھیے تو خارج ہے، ان جزئیات کی سراغ رسانی یعنی مقامی طور پر مدرسہ عربی کے نام سے دیوبند کے قصبے میں اصل تعلیم گاہ کا افتتاح کب اور کن بزرگوں کی تحریک وتجویز سے ہوا۔ ان باتوں کی تحقیق کا صحیح مقام سیدنا الامام الکبیر کی سوانح عمری نہیں بلکہ دارالعلوم کی تاریخ ہوسکتی ہے"۔ (سوانح قاسمی:۲/۲۴۸)

مولانا گیلانیؒ دامن بچا کر اس مرحلہ سے گزر گئے، لیکن جادو وہ جو سر پڑھ کر بولے، سچی بات تو لکھ گئے اور بالکل صاف صاف الفاظ میں خواہ اس میں نکتہ آفرینی کتنی ہی کی جائے، پھر بھی حقیقت کو چھپانا مشکل ہے، وہ تو کسی نہ کسی طرح سامنے آ ہی جاتی ہے، مولانا گیلانی نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ حضرت نانوتویؒ کی کوئی تحریر مدرسہ عربی کے قیام کے سلسلہ میں نہیں ملتی۔ مولانا گیلانیؒ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے۔ رقم طراز ہیں کہ:

"لیکن بایں ہمہ اس کا کوئی تاریخی وثیقہ ہمارے پاس نہیں ہے کہ قیام مدرسہ کی تاریخ وسنہ یا اس کے ابتدائی مبادی طے کرنے کے لیے بقید وقت صاف صاف دوٹوک الفاظ میں دیوبند کے باشندوں کو کوئی واضح تصریحی حکم آپ نے دیا تھا"۔ (سوانح قاسمی:۲/۲۴۹)

حضرت نانوتویؒ کے احکام کا کوئی وثیقہ اور تحریری ثبوت باشندگان دیوبند کے دستیاب نہیں ہے اور نہ ہی اس کا کوئی سراغ ملتا ہے، اس لئے برسہا برس حضرت حاجی صاحبؒ سے حضرت نانوتویؒ کے مذاکرات ایک مفروضہ ہی ہے۔ جس کو ہم پہلے ہی واضح کر چکے ہیں اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند کا قیام سراسر الہامی ہے، اسی الہام کی بنیاد پر حضرت حاجی صاحب نے دیوبند کے اہل علم سربرآوردہ حضرات کو مدعو فرما کر صورت حال سامنے رکھ دی تھی

اور مدرسہ کی تجویز سے سب نے اتفاق کر کے تعاون کا ہاتھ بڑھایا تھا، حضرت قاری صاحب نے بھی اس الہام کو ان الفاظ میں تسلیم کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

"دارالعلوم دیوبند کا اجراء عام موجودہ طریقہ پر نہیں ہوا کہ چند افراد نے بیٹھ کر مشورہ کیا ہو کہ ایک مدرسہ قائم کر دیا جائے اور مجموعی رائے سے مدرسہ قائم کر دیا گیا ہو بلکہ یہ مدرسہ باالہام قائم کیا گیا ہے" (الرشید دارالعلوم نمبر ۱۹۷۶ء، ص: ۱۳۷)

حضرت قاری صاحبؒ کے اس اعتراف حق سے ایک طرف تو برسہابرس کے مذاکرات کی جڑ کٹ گئی اور دوسری طرف یہ بھی واضح ہو گیا کہ اصل بانی، محرک اور مجوز اوّل حضرت حاجی سید محمد عابد حسین صاحبؒ ہیں۔ خواب میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاجی صاحب ہی کو مدرسہ قائم کرنے کی ہدایت فرمائی تھی، اسی الہام کی تعمیل میں حضرت حاجی صاحبؒ نے صبح ہی چھتہ کی مسجد میں ارباب علم کو مدعو فرما کر تجویز سامنے رکھ دی، اس وضاحت کے باوجود حضرت نانوتویؒ کو بانی قرار دینا بجائے خود حضرت نانوتویؒ کی بلند وبالا شخصیت پر اتہام ہے حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ مدرسہ قائم کرنے کی پہلی تجویز حضرت حاجی صاحبؒ نے پیش کی تھی لیکن مولانا نے اس اعتراف حق میں مکتب کا لفظ لکھ کر تاریخ کے رخ کو موڑنے کی ناکام کوشش کی ہے مولانا مرحوم کے الفاظ ہیں کہ:

"مکتب کا خیال سب سے پہلے حضرت حاجی سید محمد عابد حسین صاحبؒ کے ذہن میں آیا وہ مکتب قائم کر دیا گیا" (مسلک علماء حق)

مکتب سب جانتے ہیں کہ ابتدائی تعلیم کے مدرسہ کو کہتے ہیں، حضرت حاجی صاحبؒ کے ذہن میں نہ مکتب کا خیال آیا اور نہ ہی مکتب قائم کیا گیا اگر مکتب کا قیام ہی عمل میں آیا تھا تو حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت نانوتویؒ کو تدریس کے لیے کیوں دعوت دی اور حضرت نانوتویؒ نے اپنے بجائے حضرت ملا محمود کو کیوں بھیجا؟ یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ملا محمود نے حضرت مولانا عبدالعزیز مولانا عبدالکریم پنجابی اور حضرت شیخ الہند نیز دیگر طلبہ کو قاعدہ پڑھانا شروع کیا تھا یا درس نظامی کی متوسطات تھیں؟ میں سمجھتا ہوں کہ مکتب لکھ کر حضرت مولانا

محمد میاں صاحبؒ نے ذہن کو اس طرف موڑا ہے کہ حضرت حاجی صاحب مکتب سے آگے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، اس لیے دار العلوم کے وسیع تصور کو حضرت نانوتویؒ کی طرف کیوں نہ منسوب کر دیا جائے جو سراسر اس کے اہل تھے۔

لیکن تاریخ اور مشاہدات کو کیسے نظر انداز کر دیا جائے تاریخی وثائق تو حضرت حاجی صاحبؒ کے حق میں ہیں اور یہ کمال حضرت حاجی صاحب کا ذاتی نہیں عطائی ہے، حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مدرسہ قائم کرایا اور حضرت حاجی صاحبؒ نے عطیۂ نبوت کو تقسیم فرمایا، اس لیے کہ قاسم تو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عطیۂ ربانی کو عطا فرماتے تھے۔ انما انا قاسم واللّٰہ یعطی (الحدیث) اس لیے اس معاملہ میں عام وخاص اور عالم وغیر عالم کی بات نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کا معاملہ ہے وہ جس کو چاہیں نواز دیں۔

بہر حال ان صریح روایات کے باوجود حضرت قاری صاحبؒ کو اصرار ہے کہ بانیٔ مطلق حضرت نانوتویؒ کو تسلیم کیا جائے دیگر حضرات کو ان کی نوعیت وحیثیت کے مطابق بانی مان لیا جائے، ان کے نزدیک یہی راہ اعتدال ہے، اس کی تفصیل تاسیس صفحہ ۱۰۳، اور صفحہ ۱۰۴، پر کی گئی ہے۔

اگر راہ اعتدال یہی ہے تو اس سے بڑی زیادتی کا تصور بھی مشکل ہے جو تاریخ دار العلوم کے ساتھ روا رکھی گئی ہے۔ یہی راہ اعتدال اگر اس طرح پیش کی جاتی ہے کہ بانی مطلق تو حضرت حاجی سید محمد عابد صاحبؒ اور دیگر حضرات اپنے ابتدائی تعاون کی وجہ سے بانی کہے جا سکتے ہیں، اس طرح تاریخ کا بھرم باقی رہ جاتا اور کسی کو منھ کھولنے کی جرأت نہ ہوتی، چوں کہ حضرت قاری صاحب بہت بڑے ہیں اور اسی درجہ میں نکتہ آفریں بھی ہیں، اس لیے ہمت نہیں ہوتی کہ کچھ کہا جائے ورنہ حقیقت ہے کہ دیوبند میں حضرت حاجی صاحبؒ سے زیادہ کوئی شخصیت مقبول وہر دلعزیز نہیں تھی، سوانح قاسمی کے مصنف حضرت مولانا احسن گیلانی تحریر فرماتے ہیں کہ:

"ظاہر ہے کہ ایک سالک مسلک معرفت وحقیقت ہونے کے ساتھ ساتھ

جب اپنے پیر و مرشد میاں جی کریم بخش چشتی کے خلیفۂ مجاز بھی سید صاحب ہو چکے تھے، تو اس زمانہ کے لحاظ سے مسلمانان دیوبند کی عقیدت کیشیوں اور نیازمندیوں کی مرکز ان کی ذات گرامی بن گئی ہو، تو اس کے سوا اور ہو ہی کیا سکتا تھا، بلکہ اسی کے ساتھ اسی کتاب میں سید صاحب مرحوم کی ایک خصوصیت جس کے گونہ مشاہدہ کا موقعہ خود اس فقیر کو بھی اس زمانہ میں ملا ہے جب دار العلوم میں زیر تعلیم تھا، نہ صرف دیوبند بلکہ دیوبند سے باہر حتی کہ صوبجات متحدہ سے بھی آگے بڑھ کر بہار و بنگال تک سید صاحبؒ کی اس امتیازی خصوصیت کا چرچا اور شہرہ پھیلا ہوا تھا" (سوانح قاسمی: ۲۳۹/۲)

مولانا گیلانیؒ نے مذکورہ تاثرات مخطوطہ کے مصنف کی اس عبارت پر تحریر فرمائے ہیں کہ.

"اہل دیوبند کو آپ سے (یعنی سید محمد عابد حسین صاحب سے) کمال عقیدت ہے"

اس تناظر میں کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے بجائے کوئی اور شخصیت دیوبند میں دار العلوم قائم کرنے میں کامیاب ہوجاتی۔ لیکن ہمارے حلقۂ دیوبند کی عقیدت مندیوں کا حال یہ ہے کہ جس شخصیت سے عقیدت پیدا ہوجاتی ہے تو اسی ایک شخصیت میں تمام کمالات اور اوصاف حمیدہ ثابت کرنے میں تمام تر توانائیاں صرف کردیتے ہیں خواہ وہ وصف وکمال اس شخصیت میں نہ ہو یہی وجہ ہے کہ حضرات مشائخ وعلماء کے تذکروں اور سوانح عمریوں میں یکسانیت نظر آتی ہے، اگر حضرت قاری صاحبؒ حضرت نانوتویؒ سے دار العلوم کی بنا وابستہ نہ کریں تو حضرت نانوتویؒ کے فضل وکمال میں کونسی کمی واقع ہوجائے گی۔ لیکن حضرت قاری صاحب کو اصرار ہے کہ اس عظیم الشان دانش گاہ کا انتساب بھی انھیں کی طرف ہونا چاہیے خواہ تاریخ کے ساتھ کتنا ہی کھلواڑ کرنا پڑے، خدانخواستہ اگر یہ الہامی مدرسہ چھوٹا ہی رہ جاتا اور اس کو عالمگیر شہرت نہ ملتی تو بانی کا قضیہ ہی سامنے نہ آتا اور کسی کو بھی بانی کہنے میں کسی کو اعتراض نہ ہوتا۔

حیرت ناک کہانی

اسی مسئلہ بنا کو سامنے رکھ کر جس طرح خط وضع کیا گیا اسی طرح ایک کہانی تعمیر مدرسہ

کے سلسلے میں بھی وضع کی گئی اور اس میں دکھایا گیا کہ حضرت حاجی صاحبؒ مدرسہ کی توسیع کے قائل نہیں تھے۔ اس بارے میں حضرت نانوتویؒ اور حضرت حاجی صاحب میں شدید اختلاف تھا، حالانکہ مدرسہ کی روداودں میں اس اختلاف کا اشارہ تک موجود نہیں ہے، جو کچھ ہوا وہ مجلس شوریٰ کے فیصلے کے مطابق ہوا لیکن اس کہانی سے یہ ثابت کرنا تھا، کہ حضرت حاجی صاحب کا ذہن دارالعلوم کے پر شوکت تصور سے خالی تھا اور حضرت نانوتویؒ کی فراست ایمانی والی آنکھیں موجودہ دارالعلوم کو بہت پہلے سے دیکھ رہی تھیں، ہم بار بار لکھ چکے ہیں، کہ حضرت نانوتویؒ کے فضل وکمال زہد وورع اور فراست ایمانی سے کسی کو انکار نہیں ہے البتہ تاسیس دارالعلوم کے تعلق سے جو نکتہ آفرینیاں اور موشگافیاں کی گئی ہیں وہ تاریخی دستاویزات کی موجودگی میں قابل قبول نہیں ہیں۔ اسی تعمیر وتوسیع کے مسئلہ کو تاریخ کے آئینے میں دیکھئے تو کہانی صرف ایک کہانی ہی نظر آتی ہے جس کا تاریخ سے کوئی تعلق نہیں ہے، حقیقتِ حال یہ ہے کہ ۱۲۸۸ھ میں مدرسہ کے لیے مکان کی شدید ضرورت محسوس کی گئی۔ کرایہ کے جس مکان میں تعلیم کا سلسلہ جاری تھا وہ طلبہ کے لیے ناکافی تھا اس کو کرایہ پر حاصل کیا گیا تھا چناں چہ مستقل تعمیر کے لیے اپیل شائع کی گئی اس کے الفاظ یہ ہیں۔

> بوجہ ادا کرنے کرایہ مکان اور مستقل مکان نہ ہونے کے سخت تکلیف تھی مختصر مکان میں جب عربی کی جماعتوں کے تکرار واسباق شروع ہوتے ہیں تو ایک شور ہو جاتا ہے، ہر شخص کو اس ضرورت سے کچھ زیادہ آواز بلند کرنی پڑتی ہے لیکن جتنی جتنی آواز بلند ہوتی جاتی ہے اتنا ہی شور بڑھتا رہتا ہے اور یہ حالت اس پر ہے کہ حفظ قرآن شریف اور درجہ فارسی جداگانہ ہے ورنہ تو دشواری اس سے بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے چوں کہ دیوبند ایک چھوٹی سی بستی ہے اس لیے ایسا کوئی مکان بھی میسر نہیں آتا کہ جس میں یہ سب ضرورتیں پوری ہو جاویں"۔ (القاسم دارالعلوم نمبر، ص: ۶۱، محرم الحرام ۱۳۴۷ھ)

یہ اپیل شائع ہوگئی لیکن کسی طرف سے ایسی پیش کش نہیں ہوئی جو قابل ذکر ہو البتہ اس ضرورت کو حضرت حاجی صاحبؒ نے شدت سے محسوس کیا اور جامع مسجد کے احاطہ میں حسب

ضرورت تعمیری کام کا آغاز فرمادیا اور مدرسہ کے منتظمین نے اس کو بہ نظر استحسان دیکھتے ہوئے دوبارہ ان الفاظ میں اپیل شائع کی، ملاحظہ فرمائیے۔ عنوان ہے "تعمیر مکان مدرسہ"

"اس کے لیے سال گذشتہ میں گذارش خدمت ناظرین باتمکین کیا گیا تھا، اس پر جناب عمدہ اہل صفا خیر خواہ خلائق جناب حاجی محمد عابد صاحب مہتمم سابق مدرسہ ہذا حال مہتمم تعمیر جامع مسجد نے توجہ تام فرمائی، اور احاطہ مسجد ہی میں جملہ حوائج ضروریہ کے لیے موقع مناسب کے مکان تجویز فرمائے جو انشاء اللہ اس دو برس میں تیار ہو کر باعث آسائش طلبہ و مدرسین ہوں گے، لیکن چوں کہ یہ امر تعمیر ہے اس کے لیے زر وافر درکار ہے۔ پس ہمارے شرکار چندہ خیر خواہ مدرسہ بھی اس طرف توجہ فرمائیں و بار سال زر امداد تعمیر حسب حوصلہ اپنے کے عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں اور جو کچھ اس مد میں مرحمت فرمادیں وہ بخدمت جناب حاجی صاحب ممدوح الصدر مہتمم جامع مسجد ہی کے نام ارسال فرمادیں۔ (روداد ۱۲۸۹ھ، ص:۴)

حضرت حاجی صاحبؒ نے طلبہ کے قیام وطعام اور دیگر ضروریات کے لیے جو کمرے احاطہ مسجد میں تعمیر کیے تھے وہ آج بھی موجود ہیں، دار العلوم کے منتظمین نے اس تعمیری سلسلہ کو نہ صرف بنظر استحسان دیکھا بلکہ اس کے لیے اپیل بھی شائع کی، لیکن طلبہ کی کثرت نے پھر ارباب کار کو متوجہ کیا کہ دار العلوم کے لیے الگ سے وسیع قطعہ اراضی خرید اجائے اور دار العلوم کی مستقل عمارت الگ بنائی جائے چناں چہ ۱۲۹۱ھ کی روداد میں اس کا اعلان ان الفاظ میں کیا گیا کہ:

"اللہ کا شکر ہے کہ دیگر مثل تائیدات غیبی کے اس آرزو دیرینہ میں بھی جس کی سالہا سال سے امید تھی تائید غیبی نے جوش مارا اور رحمت الٰہی شامل ہوئی یعنی ارباب شوریٰ کی رائے میں یہ تجویز قرار پائی کہ ایک مکان وسیع تعلیم و سکونت و دیگر حاجات طلبہ مدرسہ کے لیے تیار کیا جائے چناں چہ ۱۹ رذی قعدہ ۱۲۹۱ھ بروز جمعہ میں جلسہ انعام طلبہ میں اس کے لیے گزارش کیا، اسی وقت بہت سے ذی ہمتوں نے ایک فرد چندہ تیار کیا اور بہت سے عالی ہمتوں کے نام اس میں تحریر کیے گئے، برابر فرد چندہ پر

دستخط ہوتے جاتے ہیں، جس میں بہت سارو پیہ وصول ہو جاتا ہے چنانچہ ایک قطعہ نہایت وسیع واسطے تعمیر مکانات کے خریدا گیا، اب حضرات باہمت کی ہمت درکار ہے تاکہ روپیہ فراہم ہونے پر کار تعمیر جاری ہو اور صدقہ جاریہ آپ کا یہ جاری ہو، کوئی صاحب قلیل وکثیر پر نظر نہ فرماویں، قطرہ قطرہ ہمی شود دریا۔ توجہ اور ہمت شرط ہے، آپ صاحبوں کی ہمت ہوئی تو فضل الٰہی سے یہ کام بہت سہل انجام پاوے گا"۔

مذکورہ دونوں تحریروں سے واضح ہے کہ دارالعلوم کے اکابر یا ارباب حل وعقد میں تعمیر مدرسہ اور خریداریٔ زمین کے بارے میں کسی طرح کا اختلاف نہیں تھا، اس مسئلہ میں سب متحد ومتفق تھے، جب حضرت حاجی صاحب جامع مسجد کے احاطہ میں مدرسہ کے لیے حجرے تعمیر کرا رہے تھے اس وقت بھی سب ارباب شوریٰ نے اس کا خیر مقدم کیا تھا، یہی نہیں بلکہ حضرت حاجی صاحبؒ کے اس مبارک اقدام سے ارباب شوریٰ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی، اور مجلس نے باضابطہ اس میں تعاون کے لیے اعلان کیا نیز چندہ کی رقم حضرت حاجی صاحب کے نام بھیجنے کی درخواست کی، اس سے معلوم ہوا کہ تعمیر کے سلسلہ میں جو کہانی بیان کی گئی ہے وہ سراسر بے بنیاد ہے، اس کہانی کا مقصد جہاں تک کچھ اور ہے وہاں حضرت حاجی صاحب کی کردار کشی بھی ہے ورنہ تاریخ نے تو یہ بھی بتایا ہے جو وسیع قطعہ اراضی مدرسہ کے لیے خریدا گیا اس کا بیع نامہ حضرت حاجی صاحب کے نام ہے، اگر حضرت حاجی صاحبؒ ناراض تھے تو ان کے نام بیع نامہ کیسے؟ بیع نامہ کی دستاویز تو آج بھی موجود ہے پھر تاریخ کے ساتھ ایسی زیادتی اور دھاندلی کیوں؟

ذرا ٹھہریئے! کہانی تیار کرنے والے نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حضرت نانوتویؒ کی طرف یہ بات بھی منسوب کی گئی کہ حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ مکان مدرسہ کے لئے اشتہار کر دیا جائے لیکن اس میں اس کا تذکرہ نہ ہو کہ مدرسہ کا مکان علیحدہ بنے گا یا مسجد میں، حضرت نانوتویؒ نے جس اشتہار کی بات فرمائی تھی وہ اشتہار کہاں ہے؟ کیا ایسا مبہم اشتہار قابلِ قبول ہو سکتا تھا؟ اس کے باوجود کہانی گڑھی گئی اور حضرت حاجی صاحب کو علیحدہ تعمیر کا مخاطب

بنایا گیا جب کہ یہ بھی ایک تاریخی صداقت ہے کہ مدرسہ کا نقشہ حضرت حاجی صاحبؒ کے ایماء پر علی گڑھ میں بنوایا گیا جو حضرت حاجی صاحب کے خاندان میں آج تک محفوظ ہے، اس کا عکس اسی کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔ اور اگر بالفرض اس کہانی کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ۱۲۹۲ھ کی روداد میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ حضرت حاجی صاحب سنگ بنیاد کے جلسہ میں موجود تھے، اور انھوں نے مہمانوں کی ضیافت کے لیے چندہ بھی دیا، اس تحریر کو کہاں چھپا دیا جائے؟ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر بندوبست کے کاغذات کا نقشہ بھی نقل کر دیا جائے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

نقل کھیوٹ بابت سال ۱۳۱۱ھ فصلی

نام پٹی	نام نمبردار	نمبر کھیوٹ	تعداد	جمع	نام حصہ دار	کیفیت
احمد نبی	آل حسن	۷۱۶	اراضی ۳ بیگھہ ۵ بسوہ	خارج پڑتہ	وقف مدرسہ عربی باہتمام حاجی عابد حسین پسر عاشق علی قوم سید ساکن دیوبند	

ان ثبوتوں کے بعد مخالفت کا افسانہ بیان کرنے والوں کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے؟ لیکن ایک مفروضہ قائم کرنے کے بعد ثبوتوں کی کہانی تو بیان ہی کرنی پڑے گی۔ وہ بیان کی گئی اور اپنے تئیں اس مفروضہ پر مطمئن ہو گئے۔ اس سلسلہ میں ان حقائق کو مسترد کر دیا گیا جو حضرت نانوتویؒ کے بانی ہونے کی نفی کر رہے تھے، اس کے واضح ثبوت آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ مدینہ اخبار بجنور میں شائع شدہ مضمون جو مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری کے قلم سے تھا، اس مضمون میں مفتی صاحب نے وہ ثبوت فراہم کیے تھے جو حضرت نانوتویؒ کے بانی ہونے کی نفی کرتے ہیں حضرت قاری صاحبؒ نے اسی مضمون کے جواب میں ''تاسیس دارالعلوم'' نامی کتاب تحریر فرمائی، اسی کتاب کے ص ۶۲، پر ایک عنوان ہے ''ایک نامعلوم وغیر محقق رسالے کا حوالہ'' مفتی

عزیز الرحمٰن صاحب نے اپنے موضوع میں اس رسالہ کا حوالہ دیا ہے جس کو حضرت قاری صاحبؒ نامعلوم فرمارہے ہیں۔ حالاں کہ یہ رسالہ درحقیقت مولانا منفعت علی صاحب کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے چوں کہ اس کتاب میں دارالعلوم کے حالات وواقعات کا معروضی مطالعہ پیش کیا گیا ہے اور سب کچھ اس سے عیاں ہوجاتا ہے غالباً اسی بنار پر اسکو غیر محقق کہا گیا ہے جب کہ اس سے بڑھ کر ایک مخطوطہ کو بنیاد بنا کر سوانح قاسمی میں اسکے حوالے دیئے گئے ہیں، اس مخطوطہ کے بارے میں خود حضرت قاری صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''سوانح مخطوطہ، مؤلف کا پتہ معلوم نہیں ہوا مگر واقعات مستند اور بزرگوں کے شواہد سے مؤید ہیں''۔ (سوانح قاسمی: ۱/۱۴)

حضرت قاری صاحب کی اس تحریر پر اس کے سوا ہم کیا عرض کریں:

''ایں گناہست کہ در شہر شما نیز کنند''

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تاریخ کے ساتھ کیسا مذاق کیا گیا ہے؟ دبے لفظوں میں سوانح قاسمی کے مصنف حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کو خود اس کا اعتراف ہے، اس تحریر کا پس منظر یہ ہے کہ سوانح قاسمی کی اشاعت کے بعد حضرت حاجی صاحبؒ کے پوتے سید افتخار حسین صاحب مرحوم نے کتاب کے چند مقامات کی نشاندہی کی اور چند تاریخی معلومات بہم پہنچائیں، اس کے جواب میں مولانا مرحوم نے اصل موضوع سے انحراف کرتے ہوئے جو خط بھیجا اس کے الفاظ یہ ہیں:

مولانا گیلانی کا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۹/اکتوبر ۱۹۵۴ء/ گیلانی، بہار

''کرم فرمائے بندہ سید صاحب زاد مجدکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا رجسٹرڈ لفافہ ملا، مرسلہ مضمون بھی پڑھ گیا

اس فقیر کی علالت کے ساتھ جس تعلق خاطر کا اظہار فرمایا گیا ہے دل اس کا ممنون ہوا۔
میری علالت کی شدت کا دور تو ختم ہو چکا ہے لیکن صحت کلی ابھی واپس نہیں ملی ہے۔
آپ سے دعا کا امیدوار ہوں اور متوقع ہوں کہ خاص وقتوں میں اس فقیر کے خاتمہ بالخیر
کی دعا فرمائیں گے۔

آپ نے معلومات کا جو سرمایہ بھیجا ہے، کسی نہ کسی شکل میں یہ ساری باتیں
بحمداللہ مجھ تک پہنچ چکی تھیں۔ آپ نے اس سلسلہ میں جن واقعات کا اظہار فرمایا ہے، خدا
ہی جانتا ہے یہ کیسے قصے ہیں۔ میں تو مہینوں سے بستر علالت پر پڑا کروٹیں بدل رہا
تھا۔ ڈاکٹروں نے لکھنے پڑھنے کی چوں کہ ممانعت کر رکھی ہے، قلب ہی بیمار ہو گیا ہے۔
اس لیے کوئی تفصیلی جواب آپ کے عنایت نامہ کا نہ دے سکا۔

بہر حال ہمارے بزرگوں نے کام کیا اور ان کے کام کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے
وہ خود زندہ رہتے تو اپنے کیے ہوئے کاموں کا انتساب خود اپنی طرف کرانے میں
شرماتے، ان کے سامنے تو صرف اپنے آقا اور مولیٰ کی خوشنودی تھی اور اپنے محبوب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خدمت تھی۔

حاجی صاحب قدس سرہ کا شمار اکابر دیوبند میں ہے، ان کے خدمات کو نہ کسی
نے بھلایا ہے اور نہ ہی وہ بھلائے جا سکتے ہیں۔

کاش! نام سے زیادہ کام کی طرف پچھلی نسلوں کی توجہ ہو جائے۔ جانے والے
جا چکے اپنے اپنے اعمال اور نیکیوں کا اجر ان کو مل چکا ہوگا۔ کیا فائدہ کہ اتنی خفیف خفیف
چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہم لوگ دلوں میں گرانیاں پیدا کریں۔

آپ سید ہیں۔ آپ سے اس لطیفہ کا ذکر کر ہی دوں، کسی بزرگ نے حسین
ویزید کے قضیے میں پوچھا کہ یزید کا انجام کیا ہوگا، جواب میں انھوں نے کہا کہ حسینؓ کو
اگر یزید کے متعلق فیصلہ کا اختیار دے دیا جائے تو شاید وہ اپنے ساتھ اس کے ہاتھ کو
پکڑے ہوئے جنت ہی کے دروازے تک پہنچا دیں گے۔ فقط

بندہ

مناظر احسن

ناظرین بار باراس خط کو پڑھ کر خود ہی نتیجہ اخذ کرلیں کہ مولانا گیلانیؒ نے کیا کہنا چاہا ہے اور حقیقت ان کے سامنے کس طرح واضح تھی ہاں کچھ مجبوریاں رہی ہوں گی جنھوں نے تاریخ کا رخ موڑ دیا۔ مولانا مرحوم کا یہ مکتوب ہمارے موقف کی بھرپور تائید کرتا ہے۔

کتاب پریس میں جانے کو تیار تھی، دریں اثناء ایک گرہ کشا تاریخی مواد نظر سے گذرا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے بھی من وعن شامل اشاعت کرلیا جائے تا کہ قارئین کتاب کو موجودہ تاریخ ''سوانحِ قاسمی'' کی حقیقت اچھی طرح معلوم ہو جائے۔

مولانا عامر عثمانیؒ ماہنامہ تجلی فروری مارچ ۱۹۶۱ء کے شمارے میں صفحہ ۵۷ پر ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں.

> ''آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ دارالعلوم کی تاریخ اب وہ نہیں ہے جو آپ سمجھے بیٹھے ہیں بلکہ وہ ہے جسے ''سوانحِ قاسمی'' میں باور کرایا گیا ہے۔ تاریخ نویسی کا فن پرانا ہوا، اب تاریخ سازی کا دور ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ پر اللہ کی رحمتیں ہوں کچھ تو کرشمے ان کی پروازِ خیال نے دکھلائے کچھ حکمت اُن بزرگوں نے دکھلائی جن کے نزدیک دارالعلوم کے قیام وترقی کا کریڈٹ ایک خاص خاندان کو دینا دین وملت کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ ابھی جولائی ۶۰ء میں خاکسار کراچی تھا، یہاں سید محی الدین صاحب سے جو کبھی دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے ممبر بھی تھے جن کی نیک نفسی اور زہد وتقویٰ پر ان کے واقف کاروں میں کوئی اختلاف نہیں اور جن کے گہرے تعلقات مولانا مناظر احسن گیلانیؒ سے بھی تھے، ملاقاتیں ہوئیں، ایک موقع پر انھوں نے واقعہ سنایا کہ جب ''سوانح قاسمی'' چھپنے کی تیاریاں تھیں تو ہمیں اس کو پڑھنے کا بے حد اشتیاق لگا ہوا تھا، چھپ کر آ گئی تو ذوق شوق سے پڑھا، لیکن بڑی حیرت ہوئی یہ دیکھ کر کہ جن تاریخی امور کا ہمیں علم تھا ان کا تو اس میں دُور دُور پتا نہیں، مگر ایک نئی تاریخ ضرور موجود ہے۔ اضطراب ضبط نہ ہوا تو سفر کر کے گیلانی صاحبؒ کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ حضرت یہ آپ نے کیا کیا لکھ دیا؟ گیلانی صاحبؒ کے چہرے پر کرب کی

علامات ظاہر ہوئیں اور تأسف کے ساتھ فرمانے لگے، کیا بتاؤں بھائی کمال ہوگیا، جو کچھ میں نے لکھا تھا وہ تو کچھ اور ہی تھا، ہم نے پوچھا اس کا کیا مطلب ہوا؟ انھوں نے فرمایا میرے تقریباً پانچ سو صفحات بدل دیئے گئے ہیں۔

اس حقیقت کو اور بھی متعدد حضرات جانتے ہیں، اور وہ ابھی زندہ ہیں کہ دارالعلوم کی طرف سے چھاپی ہوئی دارالعلوم کی مستند تاریخ "سوانح قاسمی" کس بے تکلفی کے ساتھ اصل مسودے میں تغیرات کر کے چھاپی گئی ہے، اور یہ تغیرات معمولی نہیں بلکہ وسیع تر اور بنیادی ہیں"۔

جی چاہتا ہے کہ اس مکتوب کے بعد ایک اور مکتوب گرامی نقل کر دیا جائے جو حضرت حاجی صاحبؒ ہی کو بانی قرار دیتا ہے۔

الہامی مکتوب گرامی

یہ مکتوب گرامی جناب سید ارتضا حسین قادری برکاتی سجادہ نشیں خانقاہ برکاتیہ حضرت سید شاہ برکت اللہ صاحبؒ کوٹھی سید محمد شاہ صادق صاحب مرحوم سیتاپور کے قلم حقیقت رقم سے ہے، مکتوب پر تاریخ ۲ ربیع الاوّل ۱۳۲۹ھ درج ہے، تحریر فرماتے ہیں کہ:

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

حامی سنت ماحی بدعت عظیم البرکت دامت برکاتہم

آداب غلامانہ سلام مسنون قبول ہو، فقیر بموجب ارشاد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ خط ارسال خدمت کرتا ہے، اگر یہ آیت وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ اور یہ حدیث من رآني في المنام فقد رآني. تو یہ واقعہ بھی صحیح ہے۔

"فقیر بعد فراغت نماز عشاء حسب المعمول قدیم سو گیا کیا دیکھتا ہے کہ اپنی خوش قسمتی سے دربار گہر سید ابرار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہے اور اس دربار عالی

میں ایک ہاتف غیبی ندا کر رہا ہے کہ لوگو خواب غفلت سے جاگو، آج اس صدی کا مجدد درگہربار حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم (سے) مقرر کیا جاوے گا، اسی عرصہ میں دو صاحب ایک شخص کو مواجہ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر خدمت میں حاضر ہوئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ایک سبز عمامہ ان شخص کے سر پر باندھا اور عمامہ باندھتے وقت یہ ارشاد فرماتے جاتے تھے کہ اے رب العزت جل جلالہ تیرے حکم سے یہ تیرا بندہ مجدد اس صدی کا مقرر کرتا ہوں، اس کی نصرت وحمایت غیب سے فرما۔

جس وقت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم عمامہ باندھ کر فارغ ہوئے، اتنا ہی حاضرین نے مرحبا مرحبا کا شور بلند کیا اور خود بدولت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند ادعیات اور آیات قرآنیہ تلاوت فرمائی اور ان شخص پر دم کی اور ارشاد فرمایا اے شخص تو میرے رب جل جلالہ کے حکم سے مجدد اس صدی کا مقرر کیا گیا اور تجھ کو خزائن رحمت کا امین کیا گیا، میرا رب جل جلالہ تیرے سبب سے احیاء دین اسلام فرماوے گا اور مردہ سنت کو زندہ کرے گا، تیرا حامی رب جل جلالہ ہوگا جو تمام عالم کے قلوب کا حاکم ہے، اے شخص تجھ کو اسماء الٰہی کے خزائن کی کنجیاں عطا کی جاتی ہیں، ان سے خزائن کو کھول اور رب العزت جل جلالہ کی رحمت کا امیدوار ہو، تجھ کو ایسی امانت کا امین مقرر کیا جاتا ہے اور ایک ایسی برکت والی چیز عطا کی جاتی ہے جو سوا تیرے اس زمانہ میں کسی کو نہیں عطا کی گئی۔

قسم اس ذات احدیت جل جلالہ وعم نوالہ کی کہ جس نے مجھ کو رسول بنا کر اس عالم میں مبعوث فرمایا ہے جو شخص تیرا مخالف ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ سخت سے سخت عذاب میں مبتلا کرے گا، تجھ سے وہ وہ امور ظاہر ہوں گے جو باعث میرے احیاء دین کی ہوں گی، وہ حجابات تیرے قلب پر سے اس چیز کی بدولت ہٹ جاویں گی۔ یہ جس کو عطا کی جاتی ہیں اسرار الٰہیہ کے وہ ستر حجابات اس ذریعہ سے اٹھیں گے۔ تجھ کو لازم ہے کہ اس عطیہ کے شکرانہ میں ستر روپئے نثار کر جس کے ذریعہ سے تمام عالم میں میرے دین کا احیاء ہو

اور یہ امر تمام عالم کے گوش زد ہوجائے تاکہ تمام عالم کے مسلمانوں پر رحمت الٰہیہ قائم ہوجائے اور بروز قیامت وہ لوگ رب العزت جل جلالہ کی سوال سے عہدہ برآ ہوسکیں۔

اے شخص اس عطیہ کو باوضو ہوکر دو رکعت نفل ادا کرکے اور ستر روپے شکرانہ کا ادا کرکے کھولنا اور ان ایام میں جو کہ مخصوص ہوں ورد کرنا، اے شخص اگر تو احیاء دین میں کوتاہی اور اپنا جان و مال اس میں نثار نہ کرے گا تمام وہ برکات جو کہ تجھ کو عطا کی گئی ہیں سلب ہوں گی۔

علی الصباح ایک بزرگ صورت تشریف لائے، ایک دعا فقیر کو عنایت کی اور ارشاد ہوا کہ یہ دعا حاجی عابد حسین کو دیوبند روانہ کر اور رات کے واقعہ کو چھپوا کر تمام عالم میں مشتہر کردو، اور تو جانتا ہے کہ وہ دو شخص کون تھے، ایک حضرت علی صابرؒ تھے اور دوسرے خواجہ اجمیریؒ تھے اور جو شخص مجدد بنایا گیا ہے وہ حاجی عابد حسین صاحب دیوبندی تھے اور میں ہوں شاہ بو علی قلندرؒ۔

اگر تو نے اس واقعہ کو آج ہی مشتہر نہ کرایا اور حاجی عابد حسین کو اطلاع نہ دی تو تو سخت عذاب میں مبتلا ہوگا اور وہ تشریف لے گئے۔ فقیر اپنے مالک عز و جل کی قسم سے عرض کرتا ہے کہ جو کچھ دیکھا اور سنا تھا وہ عرض کیا، اس میں ایک لفظ بھی زیادہ نہیں کیا اگر کیا ہو تو شفاعت اور ایمان سے محروم رہوں، اور یہ تمام واقعہ واسطے چھاپنے کے مطبع صبح صادق کو دے دیا ہے اور دعا جو عطا کی گئی وہ انشاء اللہ عقب سے بذریعہ ویلیو اور ستر روپے ارسال کروں گا۔ فقیر قاصد تھا قاصد کا کام اتنا ہے کہ پیغام پہنچا دیوے، دنیا میں معاملات بے انتہا خراب ہیں، اگر آپ کی امانت نہ ہوتی اور اس طرح کا حکم فقیر کو نہ ہوتا ہرگز ہرگز اس واقعہ کو ظاہر نہ کرتا اس واقعہ کے اعلان ایک لاکھ طبع کرانے ہیں۔

فقیر کا قیام شاید یہاں نہ ہو، لہٰذا جواب بیرنگ اس پتہ سے ارسال ہو نیز جہاں ہوگا مل جاوے گا انشاء اللہ وہ عطیہ بذریعہ ویلیو ستر روپے ارسال ہوگا‘‘۔

والسلام

فقیر ارتضا حسین

اس مکتوب گرامی کی فوٹو کاپی جو راقم الحروف کو دستیاب ہوئی اس پر جناب سید افتخار حسین صاحب دیوبندی نبیرہ حضرت حاجی صاحبؒ نے یہ وضاحت کی ہے کہ:

"اس خط کی نقل ۱۵/اکتوبر ۱۹۷۱ء کو خود مراد آباد جا کر کی جو کہ بھائی سعداد صاحب کے پاس موجود ہے، لفافہ بھی موجود ہے مگر بہت ضعیف ہوگیا ہے، پڑھا ضرور جاتا ہے اور ان کو یہ امانت (ان کے چچا) بھائی الطاف حسین صاحب کے انتقال کے بعد ملی، بھائی الطاف حسین صاحب کو اپنے والد حاجی سید حسن صاحب مرحوم کے پاس سے ملی، اور ان کو (ان کے والد) حضرت شاہ سید حافظ محمد عابد حسین قدس سرہ کے وصال کے بعد ان کے قلم دان سے یہ لفافہ ملا۔

احقر افتخار حسین

نبیرہ حضرت حاجی صاحبؒ

۱۵/اکتوبر ۱۹۷۱ء

مکتوب گرامی کی صحت میں شبہ کی گنجائش نہیں ملتی، پھر جن الفاظ میں سید ارتضا حسین مرحوم نے اس کی توثیق فرمائی ہے اس سے زیادہ کسی مسلمان سے توقع نہیں کی جاسکتی، مزید برآں سید افتخار حسین صاحب مرحوم نے مکتوب کی جو سند بیان کی ہے وہ کسی زاویہ سے نا قابل تسلیم نہیں کہی جاسکتی اس لیے ہم اپنی بحث کا اس مکتوب کو تتمہ سمجھتے ہیں، مکتوب کا مضمون اس کا گواہ ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ ہی دارالعلوم دیوبند کے بانی ہیں، اس مدرسہ کے ذریعہ احیاء دین کی جو خدمت روز اوّل سے آج تک ہو رہی ہے وہ محتاج بیان نہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ سلطنت مغلیہ کے سقوط کے بعد اسلامی علوم، اسلامی تہذیب وتمدن اور ثقافت کی نشأۃ ثانیہ اسی دارالعلوم کے ذریعہ ہوئی، آج برصغیر میں جتنے تعلیمی ادارے اور احیاء دین کے مراکز ہیں وہ سب اسی دارالعلوم کی فیض رسانی ہے، یہی عظیم الشان کارحضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت حاجی صاحبؒ کے سپرد فرمایا۔

یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ سید ارتضار حسین صاحب مرحوم کے مکتوب سے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے الہام کی توثیق وتائید ہوگئی جس کے معاً بعد آں جناب نے اہل علم کے سامنے چھتہ مسجد میں عربی مدرسہ قائم کرنے کی تجویز رکھی چوں کہ معاملہ الہامی تجویز کا تھا، اس لیے کسی نے اختلاف رائے نہیں کیا بلکہ دست تعاون دراز کرنے میں سبقت کی، اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے مدرس کو بے مثال ترقی عطا فرمائی، اسی ارتقار نے اس کی تاسیس کو ایک مسئلہ بنادیا اور بنار کی نسبت ایسے حضرات کی طرف کی گئی جن کا تجویز وتاسیس سے کوئی تعلق نہیں تھا، حضرت حاجی صاحبؒ کے دست راست اور معاون ضرور تھے، اسکے کھلے ہوئے ثبوت اور شواہد پیش کئے جاچکے ہیں جو ناقابل تردید ہیں ۔

میرا خیال ہے کہ تاسیس کے موضوع پر جس قدر گفتگو کی جاچکی ہے وہ ان تمام غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے کافی ہوگی جو آج تک پوری قوت کے ساتھ پھیلائی گئی ہیں یہاں تک کہ دارالعلوم کی عمارتیں جن کا انتساب کسی نہ کسی اہم شخصیت سے ہے، مثلاً باب قاسم، شیخ الاسلام منزل، حکیم الامت منزل، جامع رشید وغیرہ لیکن تاریخ کو سبوتاژ کرنے کے لیے حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ کے نام نامی سے منسوب کوئی عمارت نہیں ہے، مبادا کسی کو جستجو ہو کہ یہ کون شخصیت تھی؟ تو رازہائے دروں سامنے آجائیں گے اور یہ حقیقت بے نقاب ہوجائے گی کہ دارالعلوم کے مجوز اوّل اور محرک وبانی حضرت حاجی صاحب کی ذات گرامی ہے۔

خلاصۂ مباحث

۱- دارالعلوم کے بانی ومجوز حضرت حاجی محمد عابد حسینؒ ہیں۔

۲- دیگر حضرات کو بانیوں میں شمار کرنا بے بنیاد ہے اور اصلاً نکتہ آفرینی ہے۔

۳- حضرت نانوتویؒ قیام دارالعلوم کے کم از کم سات سال بعد دیوبند تشریف لائے۔

۴- اجرار مدرسہ کے وقت حضرت حاجی صاحبؒ کی دعوت کے باوجود دیوبند تشریف نہیں لائے۔

۵- ۱۹۰۵ء میں پہلی بار حضرت حافظ احمد صاحبؒ نے حضرت نانوتویؒ کے بانی مدرسہ ہونے کا انکشاف کیا۔

۶- حضرت حاجی صاحبؒ کو بانی کہنے والوں میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ، حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب، مولانا نذیر احمد صاحبؒ، منشی فضل حق صاحب وغیرہم رحمہم اللہ ہیں۔

۷- جن بزرگوں نے حضرت نانوتوی کو بانی لکھا ہے وہ پروپیگنڈہ کا شکار ہوئے ہیں، یہ مہم مولانا حافظ احمد صاحب مرحوم نے شروع کی تھی۔

۸- قدیم وجدید روایات میں تطبیق وجمع کی صورت خلافِ آئین ہے۔

۹- محض فضل وکمال کو پیش نظر رکھ کر ہر بڑی چیز کو بڑے کی طرف منسوب کرنا تاریخی واخلاقی بددیانتی ہے۔

۱۰- حضرت حاجی صاحب کو بانی نہ ماننا دو بزرگوں کی منامی بشارتوں کی تکذیب ہوگی۔

دوسرا عظیم الشان کارنامہ جامع مسجد کی تعمیر

دیوبند کو اگر مسجدوں کا شہر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، ایک قصبہ میں سیکڑوں مسجدوں کا ہونا باشندگانِ دیوبند کی سعادت ہے الحمدللہ مسجدیں آباد رہتی ہیں اور نمازیوں کی تعداد قابل لحاظ ہے لیکن قصبہ میں کوئی جامع مسجد نہیں تھی، اس کی کو عام طور پر محسوس کیا جارہا تھا لیکن کسی نے عملی قدم نہیں اٹھایا دارالعلوم دیوبند کی تاسیس کے بعد حضرت حاجی صاحبؒ کی توجہ جامع مسجد کی تعمیر کی طرف ہوئی اس کے لیے مشورے ہوئے اور اتفاق رائے بھی ہوا، چناں چہ اصحاب الرائے نے ایک بلند مقام کو پسند کیا جہاں آج مسجد موجود ہے انتخاب میں وہ جگہ تو آ گئی لیکن مشکل یہ پیش آئی کہ جگہ خالی نہیں تھی، متعدد مکانات بنے ہوئے تھے، مکان والوں سے جب جگہ مانگی گئی تو انھوں نے انکار تو نہیں کیا البتہ ان کے عوض زمین اور مکان کا مطالبہ کررہے تھے، یہی گتھی الجھی ہوئی تھی، حضرت حاجی صاحبؒ نے جب مکان والوں سے ملاقات کی تو ان کے سامنے

بھی یہی مطالبات آئے۔

حضرت حاجی صاحب نے اس مطالبہ پر زیادہ غور و خوض نہیں کیا اور برجستہ فرمایا کہ میں اپنا مکان اور نشست گاہ تم کو دیتا ہوں تم مسجد کے لئے جگہ دے دو چناں چہ یہی ہوا اور مکان والوں نے معاوضہ میں مکانات خالی کر دیئے اور تعمیر مسجد کا مسئلہ حل ہو گیا، اسی موقعہ پر حضرت حاجی صاحبؒ ۱۲۸۴ھ میں حج بیت اللہ کا ارادہ کر لیا اور آبائی جائداد عزیز و اقارب کو تقسیم کر دی، مدرسہ کا اپنے بجائے مولانا رفیع الدین صاحب کو مہتمم مقرر کر دیا خود حج بیت اللہ کے لے روانہ ہو گئے، مکہ مکرمہ پہنچ کر آپ نے حج کیا اور پھر مدینہ منورہ تشریف لائے اور یہیں قیام پذیر ہو گئے۔ تقریباً مدینہ منورہ میں سال گذر گیا۔

ایک روز خواب میں بشارت ہوئی کہ حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے مکہ مکرمہ میں ملاقات کر کے ان کے سلسلہ میں داخل ہو جاؤ، چناں چہ بشات کے مطابق مکہ مکرمہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت حاجی صاحب نے بیعت کر کے خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اس کی اطلاع سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو ان الفاظ میں دی اور دونوں بزرگوں کو تمام امور میں اتفاق کی تاکید فرمائی۔ الفاظ یہ ہیں کہ:

> "حاجی سید عابد حسین صاحب باوجود کمالات خود باشارۂ ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم بردست فقیر بیعت فقیر کردہ داخل ایں سلسلہ گردیدند، امید کہ آں عزیزاں وارشاں باہم متفق باشند و در ہر امور اتفاق دارند و در فیض رسانی خلق اللہ دریغ ندارند و سرگرم باشند" (مکتوب سی و ششم مرقومات امدادیہ)

> "حاجی سید عابد حسین صاحب اپنے کمالات کے باوجود ہادئ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر اس فقیر کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے ہیں اور اس سلسلہ میں داخل ہو گئے امید ہے کہ آں عزیزاں اور وہ باہم متفق ہوں گے اور تمام امور میں اتفاق رکھیں گے، اور خلق اللہ کی فیض رسانی میں مضائقہ نہ رکھیں اور سرگرم رہیں"۔

خلافت عطا فرمانے کے بعد حضرت مہاجر مکیؒ نے ہندوستان واپسی کا حکم ان الفاظ میں دیا کہ تمہارا ہندوستان میں قیام مدینہ منورہ میں قیام سے افضل ہے، تم سے وہاں کے لوگوں کو بہت نفع ہوگا، حضرت مہاجر مکیؒ کا ایک ارشاد یہ بھی ہے کہ مدرسہ اور مسجد کا کام تمہارے بغیر نہیں ہوگا چناں چہ اپنے پیرومرشد کے حکم کی تعمیل میں حضرت حاجی صاحب دیوبند واپس آ گئے یہاں اقامت پذیری کے بعد حضرت حاجی صاحبؒ نے خواب میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدرسہ کے لیے جدوجہد کا حکم فرمایا، اسکی اطلاع حضرت حاجی صاحبؒ نے اپنے پیرومرشد حضرت مہاجر مکیؒ کو دی تو حضرت مہاجر مکیؒ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ:

> ”میں نے تو آپ کی خدمت میں پہلے ہی عرض کیا تھا کہ تمہارے حق میں ہند رہنا اور مدرسہ علم دینی کی سعی اور کوشش کرنی مکہ مدینہ کے رہنے سے افضل ہے۔ مگر الحمدللہ وہاں جا کر بھی آپ کو یہی حکم ہوا، سواب تمہارے واسطے یہی مناسب اور بہتر ہے کہ جس میں اللہ اور رسول کی مرضی پائی جاوے وہ کام کرو اور اپنے ارادہ کو اس کی رضامندی میں فنا کردو، دور نزدیکی ظاہری کا کچھ اعتبار نہیں جو اس کی رضا پر ہے وہی نزدیک ہے“۔ (مکتوب سی وہشتم مرقومات امدادیہ)

یہ ہے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف وصریح حکم اسی کی تعمیل میں حضرت حاجی حافظ محمد عابد حسین صاحبؒ کے آخری لمحات تک مصروف رہے چناں چہ عربی مدرسہ اور جامع مسجد کی تعمیر میں ساری توانائی صرف فرمادی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ وجاوید کامیابی عطا فرمائی۔

حضرت حاجی صاحب کے سوانح نگار مولوی نذیر احمد مرحوم نے سید الطائفہ حضرت مہاجر مکیؒ کا یہ قول بھی نقل کیا کہ ”ہندوستان خالی مت کرو اور جامع مسجد بھی بغیر مدد تمہاری نہیں بن سکتی اور یہ بھی فرمایا کہ شادی ضرور کر لینا“ مولوی نذیر احمد صاحبؒ کا بیان ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی دیوبند واپسی پر کئی روز تک ملاقاتیوں کی آمد و رفت جاری رہی، مہمانوں سے جب یکسوئی ملی مسجد و مدرسہ کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔ پہلے مدرسہ کے حالات دیکھے آمد

وصرف کا جائزہ لیا تو خامیاں نظر آئیں، اس پر حاجی صاحب ناراض ہوئے اور فرمایا کہ "روپیہ جمع کر دو ورنہ اچھا نہ ہوگا" اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مدرسہ کی رقمیں چند لوگوں کے پاس تھیں وہ مدرسہ میں نہیں تھیں، حضرت حاجی صاحبؒ کی ناراضگی اور رقم کے مطالبہ سے وہ لوگ ملول ہوئے جن کے پاس مدرسہ کے روپئے تھے کہ حضرت حاجی صاحبؒ کسی کی ناراضگی کو خاطر میں نہیں لائے اور مدرسہ کی تعمیر و ترقی میں مصروف ہو گئے۔

مدرسہ کے بعد جامع مسجد کی طرف توجہ فرمائی تو دیکھا کہ ابھی مسجد کی جگہ بھی صاف نہیں ہوئی ہے اور نہ مسجد کے تعمیری مد میں کوئی رقم ہے یہ کیفیت دیکھ کر چند دنوں حضرت حاجی صاحب خاموش رہے پھر اپنے پیر و مرشد کے حکم کی تعمیل میں شادی کی اور مسجد کی تعمیر میں لگ گئے گہری اور وسیع بنیادیں بے سروسامانی کے عالم میں کھدوانی شروع کر دیں، لوگ محو حیرت تھے کہ تنگ حالی میں حضرت کیا کر رہے ہیں چند زبانوں پر یہ بات بھی آئی کہ حضرت حاجی صاحبؒ گڈھے کھدوا کر ہار مان جائیں گے، بلاشبہ حضرت حاجی صاحبؒ کے کانوں میں یہ باتیں پہنچتی ہوں گی لیکن درویش خدامست نے کسی کی نہیں سنی اور کام جاری رہا، بنیادیں بھر گئیں تو لوگوں کو یقین ہو چلا کہ جامع مسجد بن جائے گی اور ادھر فقرے چست کرنے والوں کی زبان بدل گئی اور عوام کے چہروں پر خوشی کی چمک دکھائی دے رہی تھی۔

اتنی بڑی مسجد کا بوجھ باشندگانِ دیوبند کے لیے اٹھانا مشکل تھا چار و ناچار چندہ کے لیے باہر قدم نکالنا ہی تھا، اللہ تعالیٰ نے مولوی عبدالخالق کے دل میں تعاون کی کسک پیدا کر دی، انھوں نے خود حاجی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں مسجد کا چندہ باہر سے لانے کے لیے آمادہ و تیار ہوں، آپ ماہانہ کچھ مقرر فرمادیں اور میں اپنا کام شروع کر دوں، حضرت حاجی صاحبؒ نے ضرورت کے مطابق مولوی عبدالخالق صاحبؒ کی پیشکش قبول فرمالی اور ان کا ماہانہ مقرر کر کے باہر بھیج دیا، مولوی صاحب کئی سال تک چندہ میں مصروف رہے مسجد کا تعمیری سلسلہ جاری رہا، بالآخر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسجد کی تعمیر پایۂ تکمیل تک پہنچ گئی، مسجد اپنی دلکش اور بلند مقام پر ہے جو بجائے خود دعوت نظارہ پیش کرتی ہے، الحمدللہ سنگ بنیاد کے

وقت سے آج تک مسجد آباد ہے، مسجد کے چھوٹے بڑے کمروں میں طلبہ کی اقامت رہتی ہے اور چوبیس سال پہلے جب دارالعلوم میں انقلاب لایا گیا حضرت قاری صاحبؒ کو عہدۂ اہتمام سے معزول کیا گیا اور اس انقلاب کے نتیجے میں مولانا محمد سالم صاحب اور مولانا انظر شاہ صاحب نے ایک دوسرے دارالعلوم کے قیام کا ڈنکا بجایا تو اسی جامع مسجد سے دارالعلوم وقف کا آغاز ہوا، اب تو اس کی الگ عمارت اور تعلیمی سلسلہ جاری ہے۔

۱۹۰۴ء میں جامع مسجد کی امامت کا قضیہ رونما ہوا، اس میں دارالعلوم کے ارباب حل وعقد بھی شامل تھے، نوبت یہاں تک آئی اور عدالت میں دو گروپ بنائے گئے، ایک گروہ مولویوں کا تھا اور دوسرا گروہ صوفیوں کے نام سے موسوم تھا، تفصیل بے سود اور بے معنی ہے، اس لیے ہم اسی پر اکتفار کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت حاجی صاحبؒ کی قبر کو نور سے بھر دے جن کی مساعی جمیلہ سے دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا اور جامع مسجد کی تعمیر ہوئی۔ اس طرح حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی آہ سحر گاہی کی عملی شکل سامنے آگئی اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل مکمل ہوگئی، ہم حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دیوبندی کے ان اشعار پر اپنی گفتگو ختم کرتے ہیں جو انھوں نے ۱۲۹۸ھ میں جلسۂ تقسیم اسناد کے موقعہ پر سنائے تھے۔

مرد حق عابد صداقت کیش ❁ اولاً گستراند رومالش

ہم باخلاص دل دراں بنہاد ❁ چیزے از طیبات اموالش

گوئیاں ایں ہمہ فتوح کثیر ❁ در رسیدہ ہمہ بافضالش

عبدالحفیظ رحمانی

لوہرسن ضلع سنت کبیر نگر، (یوپی)

۲۱ر صفر ۱۴۲۸ھ-۱۲/ مارچ ۲۰۰۷ء، بروز دوشنبہ

❁ ❁ ❁

شجرۂ طیبہ ہر چہار خاندان

شجرہ پیران عظام چشتیہ صابریہ قدوسیہ عابدیہ رحمہم اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا الٰہی از طفیل مصطفیٰ
وز طفیل حیدرِ خیبر کشا

وز طفیل حضرت خواجہ حسن
آنکہ بصری گشت مشہور زمن

وز طفیل عبد واحد ابن زید
وز فضیل ابن عیاض با امید

وز طفیل ترک شاہی جہاں
وز طفیل اختیار خشک نان

شیخ ابراہیم ادہم متقی
وز طفیل بو حذیفہ المرعشی

وز طفیل بوہبیرہ با رضا
وز طفیل شیخ ممشاد علا

وز ابو اسحاق سامی اہل چشت
وز ابو احمد جناب نیک کشت

وز طفیل بو محمد با کمال
وز طفیل ناصر الدیں خوش خصال

وز طفیل شیخ مودود غنی
وز پئے حاجی شریف زندگی

وز طفیل جہد آں عالی جناب
خواجۂ عثمان ہارونی خطاب

وز طفیل حضرت سلطان ہند
ماحی کفر وضلال اہل ژند

وز طفیل جہد آں عالی ہمم
کو نمودہ مذہب باطل بہم

حضرت خواجہ معین الدین حسن
سنجری مشہور و معروف زمن

وز طفیل آنجناب اہل کاک
کاں رسید از جانب سبحان پاک

قطب الدین آں قطب دین احمدی
محو و مستغرق بذات سرمدی

وز طفیل آں فرید دو جہاں
فیض بخش عام وفیاض زماں

آن فرید الدین شکر بار نام
شہرۂ آفاق مثل طشت بام

وز پئے مخدوم زیب خانداں | حضرت مخدوم نور دو جہاں
آنکہ نامش حرز جان بیدلاں | قوت دل ہائے ہر پیرد وجواں
الفت او حب حق افزوں کند | چہرۂ ایمان وجاں گلگوں کند
آنکہ چرخ معرفت را آفتاب | آفتاب از درگہ او نویاب
گلشن وباغِ شریعت را بہار | بزم عرفاں را ازو صد افتخار
آن علاج درد مند لادوا | مرہم تسکین زخم سینہ ہا
راحت وآرام خاطر تفتگاں | باعث تسکین ما دل رفتگاں
حضرت مخدوم صابر پاک ذات | وز ترک پانی پتی والا صفات
آں ضیار روشنی کون ومکان | آنکہ شمس الدین ست آں عالی مکاں
وز جلال الدین کبیر الاولیا | وز طفیل عبد حق اہل رضا
وز پئے مخدوم عارف عبدالحق | وز محمد عارف احمد عبد حق
وز پئے عبدالقدوس نیک فن | وز جلال الدین تھانیسر وطن
وز پئے فیضان ہریک راز دار | وز طفیل درد ہریک کامگار
وز نظام الدین بلخی خوش یقیں | وز طفیل بو سعید مرد دیں
وز طفیل جہد آں عالی مقام | واں طفیل رفتن آں خوش خرام
از سوئے بلخ آمدن با سرّ یار | آنکہ نقش پاش را صد جاں نثار
وز محمد صادق محبوب خود | وز پئے فرزند دلبندش کہ شد
حضرت شیخ محمد باخدا | با خدا وبا رضا وبا ضیا
وز طفیل شاہی شاہ غریب | وز محمد اعظم عالی نصیب
وز طفیل حضرت شیخ جمال | آنکہ قطبش ساخت فضل لا یزال
وز پئے شاہ محمد باحیات | وز غلام با علی عالی صفات
وز طفیل پیشوائے عاشقیں | باعث تزئین زیب فخر دیں.

آن امیر الدیں امیر دیں پناہ　　آنکہ فردوس برینش خیمہ گاہ
وز پئے شیخ امام واصلاں　　وز پئے آں مقتدائے عارفاں
آن امام نیک سیرت شیر دل　　آں نہفتہ کیمیا در زیر گل
آں امام پیشوائے سالکاں　　آں امام واقف سر نہاں
وز حسن آں راحت جان جہاں　　آں محمد بخش معروف زماں
آن حسن ان مرکز اقطاب دور　　آں حسن غوث زماں بازور وشور
آں حسن آں عین سر باب علم　　آں حسن آں آفتاب علم وحلم
آں حسن آں مصدر فیض خدا　　آں حسن آں مرجع شاہ وگدا
وز طفیل اتباع ہر یکے　　اتباع واتقائے بے شکے
وز طفیل حضرت شیخ کریم　　آنکہ بخشش شاخش بخش عظیم
وز کمال وصبر وفضل واتقا　　علم وحلم وزہد در جود وعطا
کاں کریم بخش نامی نام اوست　　آنکہ وردش ہر زماں شد نام دوست
وز طفیل حضرت عابد حسین　　عاشقاں را عارفاں را نور عین
آنکہ نور معرفت را آفتاب　　از درش خورشید باشد نور یاب
آنکہ فیض باطنش جانے دہد　　بیدلاں را ذوق عرفانی دہد
شمع بزم عابداں را نور ازو　　متقیاں جہاں مسرور ازو
از جمالِ روئے او یادِ خدا　　ہر دلے دارد باخلاص وصفا
مظہر اسرار حق در ذاتِ او　　مطلعِ انوارِ حق آیاتِ او
ہر دلے از لطف فیضش باغ باغ　　بزمِ عرفاں را ازو روشن چراغ
ہرکہ دارد با صفاتش اعتقاد　　در جہاں او ہست باعیش مراد
از شرابِ عشق خود سرشار کن　　قلب ما را واقف اسرار کن
وز طفیل وصف اہل صابری　　کن عطایم ذوق وصف قادری

شجرۂ پیرانِ عظام قادریہ قدوسیہ عابدیہ رحمہم اللہ

یا الٰہی از طفیل مصطفےٰ — وز طفیل حضرت مشکل کشا
وز طفیل حضرت خواجہ حسن — آنکہ بصری گشت مشہورِ زمن
وز حبیب عجمی شیخ نجیب — کن مرا جام مئے وحدت نصیب
وز پئے داؤد طائی نیک رو — نیک خصلت نیک سیرت نیک خو
وز پئے معروف کرخی خوش لقب — وز سری سقطی شہ عالی نسب
وز پئے شیخ جنید مردِ دیں — وز پئے بوبکر شبلی خوش یقیں
وز طفیل عبدِ واحد بن عزیز — حضرت والا لقب عالیٔ تمیز
وز پئے بو الفرح سلطانِ جہاں — آنکہ طرطوسی ست مشہورِ زماں
وز طفیل بو الحسن قرشی علیٰ — آنکہ ہنکاری ست وطنش منجلی
وز طفیل بو سعید خوش لقا — آنکہ مخزومی است با نور و ضیا
وز پئے شیخ امامِ اولیا — وز پئے آں مقتدائے اتقیا
وز پئے آں زبدۂ انوارِ حق — وز پئے آں قدوہ اسرارِ حق
وز طفیل رہنمائے روزگار — وز پئے محبوب رب کردگار
وز طفیل حضرت پیرانِ پیر — بیکساں وعاجزاں را دستگیر
وز پئے سید محی الدین نام — بو محمد عبدِ قادر خوش کلام
ظلمت عصیاں ز قلبم دور کن — از ولاور مہر خود معمور کن
وز پئے حداد شمس الدین نام — ہست کاں مشہور مثل طشت بام
شمس دیں ثانی عالی نسب — نام شمس الدین علی افلح لقب
سینہ ام را مطلع انوار کن — سینہ ا م را مجمع اسرار کن
سینہ ام را غیرت خورشید ساز — سینہ ام را مصدر امید ساز

وز برائے شیخ قطب الدین ولی — واقف سرّ جلی وہم خفی
از طفیل بو المکارم فاضلے — وز طفیل شیخ عبید کاملے
وز عبید ابن عیسیٰ شاہِ دیں — خوش مزاج وخوش خیال وخوش یقیں
وز جلال الدین بخاری با خدا — کن مرا جامِ مئے وحدت عطا
وز بمخدومِ جہانیاں جہاں — واقفم گرداں ز سرّ کن فکاں
وز بہ سید اجمل فرخ لقا — وز بہ سید بدہن صاحب ضیا
وز بہ درویش محمد نیک زاد — آں شہ ملک بقا پاکے نہاد
وز برائے عبد قدوس زمن — وز جلال الدین تھانیسر وطن
از جلال الدین رب ذو الجلال — تا محمد عابد والا کمال
وز طفیل وز برائے اہل درد — دِہ مرا توفیق حب سہر ورد

شجرہ پیران عظام سہروردیہ قدوسیہ عابدیہ رحمہم اللّٰہ

یا الٰہی از طفیل مصطفیٰ — وز علی مرتضیٰ خیبر کشا
وز طفیل حضرت خواجہ حسن — آنکہ بصری گشت مشہور زمن
وز حبیب اعجمی شیخ نجیب — کن مرا جامِ مئے وحدت نصیب
وز پئے داؤد طائی نیک رو — نیک سیرت نیک خصلت نیک خو
وز پئے معروف کرخی خوش لقب — وز سری سقطی شہ عالی نسب
وز پئے شیخ جنید مردِ دیں — وز بمشاد علوی خوش یقیں
وز پئے شیخ احمد لمعان نور — وز محمدؐ محترم شمعانِ نور
وز پئے شیخ وجیہ الدین امام — وز ضیاء الدین ضیا دین تمام
وز شہاب الدین شیخ سہرورد — رہنما وپیشوائے اہل درد
وز بہار الدین زکریا حسن — آنکہ ملتانی ست معروف زمن

وز برائے شیخ صدر الدین ولی | وز برائے شیخ رکن الدیں علی
وز جلال الدین باشان وجلال | داشت با اخلاق عالم اتصال
وز بمخدوم جہانیاں جہاں | راز دار کنت کنزاً بے گماں
وز بہ سید اجمل سلطانِ دیں | وز بہ سید بدہن صاحب یقیں
وز بہ درویش محمد نیک زاد | آں شہ ہردو جہاں پاکی نژاد
وز برائے عبد القدوس زمن | وز جلال دین تھانیسر وطن
از جلال الدین رب ذو الجلال | تا محمد عابد والا کمال
از بائے آں جلیل ارجمند | دِہ مرا توفیق وصف نقشبند

شجرہ پیران عظام نقشبندیہ قدوسیہ عابدیہ رحمہم اللہ

یا الٰہی از برائے مصطفیٰ | وز پئے بوبکر با صدق وصفا
از برائے قدوۂ ارباب دیں | حضرت سلمان اعلی خوش یقیں
وز محمد قاسم عالی ہمام | وز طفیل جعفر صادق امام
وز بحق شیخ سلطاں بایزید | وز برائے بو الحسن مردِ سعید
وز ابو القاسم نصیر آبادی است | شہر دیں را چوں ازآبادی است
از ولائے خویش دل آباد کن | از برائے غیر خود آزاد کن
وز طفیل بو علی مردِ خدا | وز ابو القاسم شہ ملک ولا
وز طفیل بو علی فارمد | مرجع شاہ و گدا و نیک و بد
وز برائے شیخ یوسف مردِ دیں | وز بعبد الخالق مردِ متین
آنکہ ہمدانی است مشہورِ زماں | عجدوانی اینکہ مذکور جہاں
وز محمد عارف صاحب کمال | محو ہر لحظہ بذات ذو الجلال
وز پئے محمود زیب خاندان | آں ابو الخیر است مشہور جہاں

وز برائے شیخ عزیزان علی
راز دار سرّ اخفا و جلی

وز محمد بابا شمع عرش حق
وز پئے سید امیر نورِ حق

وز بہاؤ الدین شیخ نقشبند
دستگیر بے کساں و درد مند

زنگ عصیاں از درونم دور کن
قلب را از حب خود معمور کن

وز علاء الدین شاہ افتخار
کانکہ عطار است مشہور دیار

وز پئے یعقوب چرخی خوش یقیں
وز عبید اللہ چراغ راہِ دیں

وز برائے عبد حق والا کمال
مظہر انوار رب ذو الجلال

وز بہ سید اجمل سردارِ ما
وز بہ سید بدہن سرکارِ ما

وز بہ درویش محمدؐ نیک زاد
آن شہ ہر دو جاں پاکی نہاد

وز پئے عبد القدوس نیک فن
وز جلال الدین تھانیسر وطن

از جلال الدین رب ذو الجلال
تا محمد عابد والا کمال

از طفیل جہد وزاہد ایں ہمام
وز طفیل درد دلہائے تمام

ذرۂ درد محبت خویشتن
در دلم در ریز رب ذو المنن

بخش آزادی زکارِ دو جہاں
بے خبر گرداں ز فکرِ این و آں

قلب را از لوث غیرک پاک کن
سینہ ام را چاک بل صد چاک کن

از تگابو زہد وجہد دست وپا
در دویدن در رسیدن تا کجا

قطع بودن ایں منازل کے زمن
تا نگہبانی ز فضل خویشتن

ایں دعائے کمترین بندگاں
استجب مولائے یا رب جہاں

شجرۂ طیبہ خاندان چشتیہ صابریہ عابدیہ مختصر در ہفت اشعار

از برائے مصطفیٰ وہم علی مرتضیٰ
شہ حسن ہم عبد واحد بوفضیل بارضا

شیخ ادہم ہم حذیفہ بوہبیرہ با صفا
شیخ ممشاد وابو اسحاق احمد با خدا

بو محمد ہم بو یوسف شیخ مودود شریف
خواجہ عثمان و معین الدین قطب رہنما

شہ فرید الین علی احمد و ہم ترک وجلال
شیخ عبدالحق واحمد ہم محمد مقتدا

عبد قدوس جلال الدین نظام و بوسعید
صادق وشاہ و محمد ہم غریب بے ریا

سید اعظم جمال ہم حیات وشہ غلام
شہ امیر الدین حضرت شہ امام اولیا

شہ محمد بخش ہم شاہ کریم وعابد و پر اتقا
قلب ما را پاک کن از لوث غیرک باخدا

❁ ❁ ❁

میں نے تو آپ کی خدمت میں پہلے ہی عرض کیا تھا کہ تمھارے حق میں ہند میں رہنا اور مدرسہ علم دینی کی سعی اور کوشش کرنی مکہ مدینہ کے رہنے سے افضل ہے مگر الحمدللہ وہاں جا کر بھی آپ کو یہ ہی (مدرسہ قائم کرنے کے لیے) حکم ہوا سو اب تمھارے واسطے یہ ہی مناسب اور بہتر ہے جس میں اللہ اور رسول کی مرضی پائی جاوے وہ کام کرو اور اپنے ارادہ کو اس کی رضامندی میں فنا کردو۔

(حضرت مولانا امداداللہ مہاجر مکی، مرقومات امدادیہ ص:۲۸۱)

ایک روز آپ (حاجی محمد عابد صاحبؒ) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، صبح کو مولوی فضل الرحمٰن صاحبؒ وغیرہ کو بلایا اور فرمایا کہ علم دین اٹھا جاتا ہے کوئی تدبیر کرو کہ علم دین باقی رہے، جب پرانے عالم نہ رہیں گے تو کوئی مسئلہ بتانے والا بھی نہ رہے گا جب سے دہلی کا مدرسہ گم ہوا ہے کوئی علم دین نہیں پڑھتا اس وقت سب صاحبوں نے عرض کیا کہ جو تدبیر آپ فرمائیں وہ ہم کو منظور ہے، آپ نے فرمایا چندہ کر کے مدرسہ قائم کرو۔

(منشی نذیر احمد، تذکرۃ العابدین ص:۶۹، مطبوعہ ۱۳۳۳ھ)

مدرسہ اسلامیہ دیوبند کی بنا اول آپ نے (حاجی محمد عابد صاحبؒ) نے ڈالی اور آپ ہی اس کے مربی و سرپرست ہیں۔

(سوانح مخطوطہ، منشی حاجی فضل صاحبؒ مہتمم ثالث دارالعلوم دیوبند،
بحوالہ تاسیس دارالعلوم دیوبند از قاری محمد طیب صاحبؒ)

اللہ تعالیٰ نے حاجی سید محمد عابد حسین صاحبؒ کو مدرسہ قائم کرنے کا الہام فرمایا جس کی بنیاد اخلاص و تقویٰ پر رکھی گئی.... چناں چہ حضرت حاجی صاحبؒ نے اس کار ثواب کے لیے خلقت کو پکارا تو انھوں نے نہایت غور سے سنا اور قبول کیا، پس یہ مدرسہ ۱۲۸۲ھ میں آپ کی سعی مشکور سے علم اور علما کا ٹھکانا اور پناہ دین و دین داران بن گیا۔

(الہدیۃ السنیۃ از مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ والد ماجد شیخ الہندؒ)

لہٰذا جملہ خیرخواہان مدرسہ کو نسبت روانگی مولوی صاحب موصوف (مولانا رفیع الدین صاحبؒ مہتمم دوم دارالعلوم دیوبند) نہایت تشویش پیش آئی، ناچار بجز اس تدبیر کے کوئی چارہ نہ بن پڑا کہ یہ مجتمع ہو کر بخدمت بابرکت حضرت سید محمد عابد صاحب دامت برکاتہم (جو بانی مجوز اول مدرسہ ہٰذا و سرپرست سرآمد ارباب شوریٰ ہیں.....) حاضر ہو کر ملتجی ہوئے کہ اب جناب پھر اس کار اہتمام کو انجام دیں کہ آخر یہ مدرسہ آپ کا ہی ہے۔ اے باد صبا ایں ہمہ آوردہ تست

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا ذوالفقار علیؒ، مولانا فضل الرحمٰن
اشتہار مطبوعہ ۲۲ رجمادی الاول ۱۳۰۹ھ

مدرسہ دیوبند کو سلطان روم بھی بغیر حاجی محمد عابد صاحبؒ کی مدد کے نہیں چلا سکتا۔

(مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ والد ماجد حضرت شیخ الہند،
بحوالہ سوانح قاسمی از مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، جلد دوم ص:۲۵۳)